ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
جنوری ۱۹۹۸ء
۱

گیمبیا میں قادیانیوں کا کریا کرم

○

جناب محمد رفیق تارڑ
عدالت سے صدارت تک
اندیشے اور توقعات

○

تاریخ کی مظلوم شخصیتیں
حضرت مولانا عبدالحق چوہان رحمہ اللہ
کی ایک غیر مطبوعہ تحریر

مُرتد اور اولادِ مُرتد

○

قانونِ توہینِ رسالت کے خلاف
جارج بشپ کی بکواس
اٹک جیل سے کرنل غیاث اللہ کا کھلا خط

○

مفکّرِ احرار، چودھری افضل حق مرحوم

وفاق المدارس الاحرار پاکستان کے تحت قائم دینی ادارے

مجلس احرار اسلام، دینی انقلاب کی داعی جماعت ہے۔ یہ انقلاب دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کئے بغیر ممکن نہیں۔ موجودہ کافرانہ نظامِ ریاست، جمہوریت اور کافرانہ تہذیب و ثقافت کے خلاف نئی نسل کی ذہن سازی اور تربیت کے لئے مدارس میں ایسا ماحول پیدا کیا جانا ازحد ضروری ہے جو دینی انقلاب کی منزل قریب تر کر دے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مجلس احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ کے زیر اہتمام وفاق المدارس الاحرار پاکستان کے تحت درج ذیل مدارس تعلیم و تدریس میں مصروف ہیں۔

مدرسہ ختم نبوت	مسجد احرار	ربوہ ضلع جھنگ فون: 211523(04524)
بخاری پبلک سکول	" "	ربوہ ضلع جھنگ فون: " " "
مدرسہ معمورہ	جامع مسجد ختم نبوت	دار بنی ہاشم، ملتان فون: 511961(061)
مدرسہ معمورہ	مسجد نور	تغلق روڈ، ملتان
مدرسہ محمودیہ	مسجد المعمور	ناگڑیاں، ضلع گجرات
دارالعلوم ختم نبوت	جامع مسجد چیچہ وطنی	فون: 611657(0445)
احرار ختم نبوت مرکز	مسجد عثمانیہ	ہاؤسنگ سکیم چیچہ وطنی فون: 610955(0445)
مدرسہ ختم نبوت	مسجد ختم نبوت	شہزاد کالونی صادق آباد فون: 75464(0702)
مدرسہ ختم نبوت	مسجد ختم نبوت	نواں چوک، گڑھا موڑ ضلع وہاڑی
مدرسۃ العلوم الاسلامیہ	جامع مسجد	گڑھا موڑ (وہاڑی) فون: 690013(0693)
مدرسہ ابوبکر صدیق	جامع مسجد ابوبکر صدیق	تلہ گنگ (چکوال)
بستان عائشہ (برائے طالبات)		دار بنی ہاشم، ملتان فون: 511356(061)
مدرسۃ البنات (برائے طالبات)		گڑھا موڑ ضلع وہاڑی
مدرسہ احرار اسلام رحیمیہ		بستی گودڑی (حاصل پور)
مدرسہ احرار اسلام		مسجد سیدنا علی المرتضیٰ، چکڑالہ، ضلع میانوالی
مدرسہ معاویہ		جھنگ روڈ، ٹوبہ ٹیک سنگھ
مدرسہ معمورہ	مسجد معاویہ	بستی مہر پور ضلع مظفر گڑھ

۱۱ ادارے اپنے اخراجات خود برداشت کرتے ہیں جبکہ ۷ اداروں کا کفیل وفاق ہے جن میں بامشاہرہ تعلیم و تدریس اور دیگر امور سر انجام دینے والے افراد کی کل تعداد ۳۰ ہے۔ ان کے اخراجات کا سالانہ تخمینہ ۱۵ لاکھ روپے ہے۔ مستقبل کے تعلیمی، تنظیمی، اور تعمیری منصوبوں کی تکمیل پر تقریباً تیس لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ تعاون آپ کریں، دعا اور کام ہم کریں گے، اجر اللہ پاک دیں گے

ترسیل زر کے لیے

بذریعہ منی آرڈر، بنام: سید عطاء المحسن بخاری مدیر وفاق المدارس الاحرار پاکستان دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بینک ڈرافٹ یا چیک اکاؤنٹ نمبر 29932، حبیب بینک حسین آگاہی ملتان

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت مُلتان

شعبان المعظم: ۱۴۱۸ھ
جنوری ۱۹۹۸ء
جلد ۹ ، شمارہ ۱
قیمت: ۱۵ روپے
Regd: M - No.32

❄ زرِ تعاون سالانہ اندرون ملک ۱۵۰ روپے بیرون ملک ۱۰۰۰ روپے پاکستانی ❄

مجلس ادارت

* زیرِ سرپرستی : حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
* رئیس التحریر: سید عطاء المحسن بخاری
* مدیر مسئول: سید محمد کفیل بخاری

رفقاء فکر

- ابنِ امیرشریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ
- پروفیسرخالد شبیر احمد
- سیدخالد مسعود گیلانی
- مولانا محمد اسحٰق سلیمی
- مولانا محمد مغیرہ
- عبداللطیف خالد
- محمد عمرفاروق
- ابوسفیان تائب
- ساغراقبالی

رابطہ : دارِ بنی ہاشم ، مہربان کالونی ملتان : فون: 511961

تحریک تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرار اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری، طابع: تشکیل احمد اختر، مطبع: تشکیلِ نو پرنٹرز، مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات	اداریہ	مدیر	۳
شاعری	نعت	سید کاشف گیلانی	۵
قانون توہین رسالت کے خلاف جارج بشپ کی بکواس			۶
اٹک جیل سے کرنل عنایت اللہ کا وزیر اعظم کے نام کھلا خط			
افکار	پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات	محمد عمر فاروق	۸
شخصیت	مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ	احمد معاویہ	۱۲
تحقیق	تاریخ کی مظلوم شخصیتیں	حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی ایک غیر مطبوعہ تحریر	۱۷
تحقیق	مرتد اور اولادِ مرتد	حضرت مفتی محمد مراد ھالیجوی	۲۴
سیرتِ صحابہ	بارگاہ رسالت کے سفیر، سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ	علامہ محمد عبداللہ	۲۹
یادرفتگان	شہید مہر و وفا۔ مولانا پیر جی عبدالعلیم شہید	احمد معاویہ	۳۹
خصوصی رپورٹ	قادیانی سازش بے نقاب	فاروق عادل	۴۴
حسنِ انتقاد	تبصرہ کتب	ذ۔ بخاری	۴۹
دین و دانش	رمضان المبارک۔ اہم واقعات و شخصیات	جناب قمر رعینی	۵۵
طنز و مزاح	زبان میری ہے بات ان کی	ساغر اقبالی	۶۰
ترحیم	مسافرانِ عدم	ادارہ	۶۲

جناب محمد رفیق تارڑ
عدالت سے صدارت تک.......... اندیشے اور توقعات

جناب محمد رفیق تارڑ بالآخر پاکستان کے صدر منتخب ہوگئے۔ وزیراعظم نوازشریف نے شبِ برات میں جناب محمد رفیق تارڑ کو مسلم لیگ کا صدارتی امیدوار نامزد کیا، یکم رمضان المبارک کو انتخاب ہوااور یکم جنوری ۱۹۹۸ء کو انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھالیا۔

• جناب محمد رفیق تارڑ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کے جج رہ چکے ہیں۔ انہوں نے عدالتی مناصب پر اپنی دیانت اور شرافت کو قائم رکھا۔ ملک کی صدارت کے لئے ان کا انتخاب خود ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا۔ یہ ان پر محض اللہ کا کرم ہے اور ان کے بزرگوں کی دعاؤں کی قبولیت ہے

جناب تارڑ کی شخصیت سے زیادہ ان کی ڈاڑھی پاکستان کے "روشن خیالوں" کے لئے تکلیف کا باعث ہوئی ہے۔ پیپلز پارٹی اور تحریک استقلال کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچی ہے۔ پہلے تو تارڑ صاحب کو عدالت کے ذریعہ سے نااہل قرار دینے کی کوشش کی گئی مگر عدالتِ عالیہ نے سازشیوں کے مؤقف کو غلط قرار دیا۔ پھر انہیں طعنہ دیا گیا کہ وہ مجلسِ احرار میں رہے ہیں جو قیامِ پاکستان کی مخالف تھی۔ حیرانی کی بات ہے کہ مسلم لیگ نے اگر ایک قادیانی سرظفراللہ کو پاکستان کا پہلاوزیرخارجہ بنایا تو ان "روشن خیالوں" اور "لبرلز" کو کوئی تکلیف نہ ہوئی، اور اسی مسلم لیگ نے ایک احراری کو صدر بنا دیا تو تکلیف ناقابلِ برداشت حد تک بڑھ گئی۔ جبکہ یہی لوگ نوابزادہ نصراللہ خان (جو آل انڈیا مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری رہے) کی قیادت میں ہر حکومت کے خلاف احتجاجی محاذوں اور تحریکوں میں اکٹھے ہوتے ہیں اور تب ولی خان کو بھی بخوشی قبول کر لیتے ہیں۔

محمد رفیق تارڑ پاکستان کے صدر بن چکے ہیں اور ناکام سیاسی تماش بین بحث مباحثہ کر کے خفت اور شرمساری سے بچنے کی جاہلانہ کوششیں کر رہے ہیں۔ اب یہ بحث ختم ہو جانی چاہیئے۔ صدرِ مملکت پوری قوم کے صدر ہیں اور سب کے لئے یکساں جذبات رکھتے ہیں۔

صدر کی متشرع شکل و صورت اور دینی زندگی کی وجہ سے قوم نے ان سے بہت سی توقعات

وابستہ کرلی ہیں۔ نفاذِ اسلام، قوم کی سب سے بڑی آرزو اور امید ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ ملک کا ایک فیصد "روشن خیال" طبقہ حسب سابق، نفاذِ اسلام کی ہر کوشش کو ناکام بنانے کی کوشش کرے گا۔ صدر مملکت کے لئے یہ عہدہ خود انہی کے بقول "بہت بڑی آزمائش ہے"۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ قیامِ پاکستان کے بنیادی مقصد کی تکمیل کے لئے اپنے اختیارات اور صلاحیتیں پوری قوت سے بروئے کار لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

گیمبیا میں قادیانیوں کا کریا کرم

پچھلے دنوں برِاعظم افریقہ کے شمال مغربی ملک، جمہوریہ گیمبیا کے صدر جناب یحییٰ ابوبکر جے جے جمی نے مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کو کافر قرار دیتے ہوئے ان کی تمام عبادت گاہوں اور تعلیمی اداروں کو سرکاری تحویل میں لینے کا اعلان کردیا ہے۔ عالمِ اسلام کے لئے یہ بہت خوش کن اور خوش آئند خبر ہے۔ جنوبی افریقہ کی اعلیٰ ترین عدالت پہلے ہی قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے چکی ہے۔

گیمبیا میں اسلامی تہذیب کو آٹھ سو سال پرانی ہے لیکن انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں مسلمانوں کو پسماندہ کرنے کی بہت کوشش کی۔ ۱۹۶۵ء میں آزاد ہونے سے پہلے یہ ملک برطانوی قبضے میں تھا۔ انگریزوں نے یہاں، ۹۶ فیصد مسلمان آبادی میں، قادیانی مشن قائم کیے۔ قادیانی مشنری اس بات کی تبلیغ کرتے تھے کہ انگریزوں کی اطاعت فرض ہے۔ جب انگریز گیمبیا کو آزادی دینے پر مجبور ہوئے تو انہوں نے ۱۹۶۴ء میں فرمان سنگاٹ کو پاکستان بھیجا تھا۔ اس نے ربوہ آکر مرزا بشیر الدین محمود کی بیعت کی۔ ۱۹۶۵ء میں برطانیہ نے گیمبیا کو آزادی دی تو فرمان سنگاٹ کو اپنا قائم مقام بنا کر اسے پورے ملک کا قبضہ دے دیا۔ ۱۹۶۵ء میں مرزا ناصر اپنے باپ کا جانشین بنا تو اس نے فرمان سنگاٹ سے کہا کہ وہ ربوہ خط لکھے کہ اسے مرزا غلام احمد کے پرانے کپڑے بطور تبرک درکار ہیں۔ یہ مشورہ مرزا کے اس الہام کو پورا کرنے کے لئے دیا گیا تھا کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ فرمان سنگاٹ کو یہ برکت بہت مہنگی پڑی۔ ادھر ربوہ سے کپڑے پہنچے ادھر گیمبیا میں انقلاب آیا اور سنگاٹ کو معزول کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ داؤد جوارا گیمبیا کے سربراہ قرار پائے جو پہلے نائب گورنر تھے۔ مرزا کے کپڑوں کی دوسری برکت یہ ظاہر ہوئی ہے کہ حکومت نے اب قادیانیوں کے خلاف یہ تاریخی فیصلہ صادر کیا ہے۔

گزشتہ چند مہینوں میں قادیانی سربراہ مرزا طاہر کی غیر معمولی اچھل کود اور غیر ضروری ہذیان سرائی کا نقد جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے، پاکستان کے صدارتی انتخاب اور گیمبیا کے صدارتی فیصلے کی صورت میں سب کے سامنے ہے۔ اے کاش! مرزائی امت، "مرزاہٹ" چھوڑ کر ہدایت کے راستے پر آجائے۔

سید کاشف گیلانی

نعت

بیٹھا رہوں میں گنبد اخضر کے سامنے
محراب کے تلے کبھی منبر کے سامنے

ہر علم یوں ہے علمِ پیمبر کے سامنے
قطرہ ہو جیسے کوئی سمندر کے سامنے

لے دے کے چند اشک ندامت ہیں میرے پاس
کیا لے کے جاؤں شافع محشر کے سامنے

طیبہ سے لوٹ کر کبھی آتا نہ میں مگر
لاچار ہو گیا تھا مقدر کے سامنے

پتھر ہی پھینکتے تھے نبی پر وہ نامراد
جو سر جھکانے والے تھے پتھر کے سامنے

پوچھو انہی سے حال پیمبر کی زیست کا
گزری ہے جنکی زیست پیمبر کے سامنے

کاشف ترے سخن میں حقیقت کا آئینہ
ٹھہرا نہ جھوٹ ایسے **سخن ور** کے سامنے

نعت

ترا کلام۔ خدا کا کلام ہے بے شک
دراصل دین ترا احترام ہے بے شک

وہ بس رہا ہے زمیں پر مگر بہشت میں ہے
تمہارے شہر میں جس کا قیام ہے بے شک

مجھے خبر ہے میں کیا ہوں مری بساط ہے کیا
یہ کائنات ہی تیری غلام ہے بے شک

وہ شخص جس کو ہے دعویٰ تری غلامی کا
غم حیات تو اس پر حرام ہے بے شک

یہ باغ و راغ یہ سورج یہ چاند یہ تارے
ترے لئے ہی تو سب انتظام ہے بے شک

یہ سچ ہے حضرت آدم سے ابن مریم تک
تمام نبیوں۔ کا تو ہی امام ہے بے شک

پئیں گے جا کے شراب طہور جنت میں
نشہ اسی لئے کاشف حرام ہے بے شک

صلی اللہ علیہ وسلم

توہینِ رسالت قانون ختم کرانے کیلئے

جارج بشپ آف کنٹربری کی بکواس

ڈسٹرکٹ جیل اٹک سے کرنل عنایت اللہ خان کا وزیر اعظم پاکستان کے نام کھلا خط

جناب محمد نواز شریف صاحب وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان!

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور لاکھوں درود و سلام ہوں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کہ جن کے نقش قدم پر چلنے میں پوری انسانیت کی، دونوں جہان کی فلاح ہے۔

یہ خط میں رات کے آٹھ بج کر پچپن منٹ پر جیل کی اس کوٹھڑی سے لکھ رہا ہوں جہاں آپ کے بھائی شہباز شریف صاحب نے بھی کچھ دن قیام کیا۔ یہ خط لکھنے کی محرک بی بی سی لندن سے نشر ہونے والی (آج کے سیربین) کی ایک خبر ہے جس میں جارج بشپ آف کنٹربری (لعنۃ اللہ علیہ) کے دورہ پاکستان کے دوران قانون ناموسِ رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس کی بیان بازی ہے کہ جارج بشپ نے پاکستانی حکام پر زور دے کر کہا کہ قانون ناموس رسالت کے مطابق گستاخ رسول کی سزا (سزائے موت) میں تخفیف کی جائے یہ بیان بازی ہی انتہائی پرلے درجے کی گستاخی ہے۔ آپ اس ملک کی حکومت کے سربراہ ہیں۔ میں ایک مسلمان پاکستانی شہری کی حیثیت سے آپ سے پوچھتا ہوں کہ........

جارج بشپ آف کنٹربری کو پاکستان میں آ کر قانون توہین رسالت کی بات کرنے کی جرأت کیوں ہوئی اور اس بدبخت اور بے غیرت شخص کو پاکستان آنے کس نے دیا؟

پاکستان میں قانون توہین رسالت بہت واضح ہے۔ یہ ملک کے انتہائی نامور، باکردار، قابل جج صاحبان، وکلاء اور علماء کرام کی برسوں کی شبانہ روز محنت سے ملک کے تمام اداروں نے بالاتفاق منظور کیا۔ یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں۔ یہ قرآن مجید اور حدیث شریف کی روشنی میں سال باسال کی تحقیق کے نتیجے میں بنا اور منظور کیا گیا۔ ناموس رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی معمولی چیز نہیں۔ یہ مسلمانوں کے ایمان کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اسی پر مسلمانوں کے دونوں جہان کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار ہے۔ جب تک حضور اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلمان کو اپنی جان، مال اور اولاد سے زیادہ پیارے نہ ہو جائیں اس کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا اور بغیر ایمان کے انسان جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ یہ کس قدر افسوس، بے حسی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ پاکستان میں آ کر ایک غیر ملکی عیسائی پادری کو یہ جرأت ہوئی اور اس کے اعزاز

میں ظہرانے، عشائیے دیئے جا رہے ہیں۔ گورنر پنجاب اور قائم مقام صدر پاکستان، اس جیسے بد بخت شخص کو ملاقات کے لئے وقت دے رہے ہیں۔ افسوس صد افسوس!!

ہم تو کسی بھی رسول بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تو اپنے پیارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ ان کی اپنی انجیل کے باب ۱۷ کے مطابق رسول کے نائب کی گستاخی کی بھی سزا "سزائے موت" ہے تو اپنے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کی سزا سزائے موت کیوں نہ ہو؟

محترم! اس وقت دراصل پورا عالم کفر ہمارے پیارے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عزت ہمارے دلوں سے نکالنے یا کم کرنے میں لگا ہوا ہے۔ یہ اسلام پر کاری ضرب ہے، جو مسلمان اس کو برداشت کرے گا اس سے اللہ کی مدد ہٹ جائے گی بلکہ اللہ کے عذاب کا مستحق ہو گا۔ یہ بار بار اس قسم کے شوشے کیوں چھوڑتے ہیں؟ وہ ہماری غیرت کو جانچنا چاہتے ہیں کہ اس لاش میں کتنی جان ہے۔

آپ اس ملک کی حکومت کے سربراہ ہیں۔ یہ اعزاز آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ یہ آپ کی انتہائی اہم اور سنجیدہ ذمہ داری ہے کہ آپ ناموس رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ کریں۔ جن افراد پر گستاخیٔ رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا الزام درست ہے، قرآن پاک اور حدیث کی روشنی میں ان کے متعلق فیصلہ ہو جائے اور انہیں قرآن پاک اور حدیث کی روشنی میں سزائے موت دی جائے۔

تمام امت مسلمہ کی بے حسی اور غفلت کی وجہ سے آج مختلف ممالک میں گستاخ رسول دندناتے پھر رہے ہیں اور ہم فضول بحثوں اور امتحانوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں رحمت مسیح اور سلامت مسیح کی رہائی اور وی آئی پی طرز پر بیرون ممالک بھجوانا اس بات کی کھلی شہادت ہے۔ حالات کو ٹھیک کروالیں، اللہ تعالیٰ اور اللہ کے پیارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگیں اور ناموس رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں جو بھی کوتاہی اور سستی ابھی تک ہو چکی ہے اس کا کفارہ ادا کریں اور سچے دل سے توبہ کریں۔ یوسف علی ملعون نے نعوذ باللہ آخری نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس کا فیصلہ جلد از جلد نمٹا لیں ورنہ شاید وقت ہی نہ ملے۔ اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

میری آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ ہمارے اوپر حضور اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ حقوق ہیں، انہوں نے ہمارے لئے کتنی توہین برداشت کی، کتنی مشقت اٹھائی، براہِ مہربانی فوری عمل درآمد کریں۔ کاش میں جیل سے باہر ہوتا تو دیکھتا کہ کیسے کسی کو جرأت ہوتی مگر افسوس.........

اللہ حافظ

(بہ شکریہ، ہفت روزہ "ضرب مؤمن" کراچی) (یکم جنوری ۱۹۹۸ء)

محمد عمر فاروق:

پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

''انحطاط'' بظاہر ایک بے ضرر چھے حرفی لفظ ہے۔ لیکن جب اس کا اطلاق کسی شعبۂ زندگی بالخصوص تعلیم پر ہو تو اس کی پس پردہ خوفناکی کا اندازہ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ ہمارا معاشرہ فی الواقع تعلیمی انحطاط سے گزر رہا ہے۔ حالانکہ ملک کے بنیادی ستونوں میں تعلیم کی اہمیت موجودہ دور میں کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن ترقی پذیر ممالک کا المیہ یہ ہے کہ اب بھی وہاں دیگر ترجیحات تعلیمی امور پر غالب ہیں۔ جس کا نتیجہ بڑے ہی تباہ کن انداز سے سامنے آرہا ہے۔ جب تک کسی ملک کی شرح خواندگی حسب ضرورت نہیں بڑھتی، اس کی ترقی و خوشحالی کا گراف ہمیشہ نیچے رہتا ہے۔ پاکستان بھی ان ممالک میں سے ایک ہے۔ جہاں تعلیم کو فروغ دینے میں ہمیشہ غفلت برتی گئی ہے۔ اور نتیجتاً غربت، پسماندگی، جہالت، اور علاج معالجے سہولیات کی عدم دستیابی ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ من حیث المجموع ارباب اختیار ہیں کہ حال مست اور مال مست ہیں۔

چند روز پہلے کی اخباری اطلاعات کے مطابق وفاقی کابینہ نے بنیادی تعلیم کے لیے تعلیمی پالیسی منظور کی ہے۔ ڈاکٹر مہر لیاقت علی چیئرمین برائے وزیر اعظم خواندگی کمیشن نے پریس کانفرنس کے دوران جن تفصیلات کا اعلان کیا ان کے مطابق آئندہ چار سال میں کمیشن ۷ لاکھ ناخواندہ بچوں کو پرائمری کی تعلیم مہیا کرے گا۔ جس کے لیے اڑھائی لاکھ غیر رسمی کمیونٹی سکول قائم کیے جائیں گے۔ جس کے لیے 13.8 ارب روپے کی منظوری دی گئی ہے۔ ڈاکٹر لیاقت علی کے مطابق حکومت سے اس پروگرام کے آغاز کے لیے تین سو ملین روپے مانگے گئے ہیں۔ اگر رقم بروقت فراہم ہو گئی تو اپریل تک اس منصوبے پر عمل درآمد ممکن ہو سکے گا۔

ہمارے ہاں خواندہ اس شخص کو تسلیم کیا جاتا ہے جو اپنا نام لکھ سکتا ہو۔ اعداد و شمار کی بھول بھلیوں میں لپٹے ہوئے شرح خواندگی بڑھنے کے بلند بانگ دعوے ہر سال سننے میں آتے ہیں۔ جبکہ سچی بات یہ ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک ہماری شرح خواندگی صرف 0.44 فیصد تک بڑھ پائی ہے اور اس طرح ہمیں عالمی شرح خواندگی کے تناسب تک پہنچنے کے لیے 122 برس درکار ہیں۔ ملکی بجٹ کا بیشتر حصہ دفاعی امور کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔ جبکہ تعلیم کے لیے صرف چند فیصد بجٹ رکھا جاتا ہے اور وہ بھی اکثر کاغذی کارروائیاں دکھا کر ہڑپ کر لیا جاتا ہے۔

آخر شرح خواندگی بڑھے تو کیسے بڑھے اس ہیرا پھیری اور حرام خوری کا نقصان تو بالآخر قوم و ملک کا ہوتا ہے اور قوم بھی وہ جس کی اکثریت کو بمشکل دو وقت کھانے کو میسر ہے۔ جبکہ سرمایہ پرستوں، وڈیروں اور صنعت کاروں کے لیے ان کے آقایان ولی نعمت انگریزوں کے دور سے علیحدہ تعلیمی ادارے

موجود ہیں اور علیحدہ نظام تعلیم رائج ہے۔ جہاں سے ہر سال رولنگ کلاس تیار ہوتی ہے۔ یقین مانیں کہ ان تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے ایک رئیس زادے کی ایک سال کی فیس سے ایک غریب خاندان کئی سال تک اپنی زندگی کا ٹمٹماتا چراغ روشن رکھ سکتا ہے۔

غربت و امارت اللہ تعالیٰ کی تقسیم کردہ نہیں ہے۔ بلکہ فرعون صفت امراء نے غریبوں کا خون نچوڑ کر اپنی تجوریوں کے "سوئس بینک" بھر رکھے ہیں اور مفلس و نادار کا جینا دو بھر کر رکھا ہے۔ جب تک اسلام کے معاشی فلسفے کے تحت دولت کی مساویانہ تقسیم عمل میں نہیں آتی۔ ان قارونوں اور ہامونوں کے ہاتھوں غریب غربت کی چکی میں پستے رہیں گے۔ اور جب تک عوام کا معیار زندگی بہتر نہیں ہوگا۔ اس وقت تک تعلیم کا عام ہونا ممکن نہیں ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق "غربت کفر تک لے جاتی ہے" جب صبح وشام گھر فاقوں کی آماجگاہ ہو۔ بیماری اور ضعف و نقاہت سائے کی طرح پل بھر کو جدا نہ ہوں تو کسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد رہے گا اور کون بچوں کے مستقبل کو روشن کرنے کیلئے انہیں سکول بھیجے گا۔ غریب .... یعنی عوام جب تک ان مسائل کے بھنور سے باہر نہیں آجاتے شرح خواندگی پر اضافہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونا ممکن نہیں ہے۔

اس وقت میرے سامنے پنجاب لیجسلیٹو کونسل کی ۱۹۲۷ء تا ۱۹۲۹ء کی کارروائی پڑی ہے جس میں تحریک آزادی کے نامور رہنما اور ممتاز ادیب و مصنف مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ نے بحیثیت ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل، سرکار برطانیہ کی تعلیمی پالیسی پر اظہار خیال کیا تھا۔ چودھری صاحب رحمہ اللہ کا یہ خطاب ان کی خداداد جرأت و بے مثال جوانمردی اور دلیری کا آئینہ دار ہے۔ ان دنوں علامہ اقبال رحمہ اللہ بھی کونسل کے ممبر تھے۔ ۹ مارچ ۱۹۲۷ء کو چودھری افضل حق نے اپنی ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر میں کہا تھا۔

"باوجود یہ کہ انگلستان کوئی غریب ملک نہیں ہے۔ وہاں غریبوں کی ضروریات کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ وہاں کا یہ قانون ہے کہ ملازم رکھنے والے اپنے مزدوروں کی پڑھائی کا انتظام کریں اگر وہ اپنے ملازمین کی تعلیم کا بندوبست نہ کریں تو انہیں حکومت کو کچھ رقم دینی پڑتی ہے۔ پھر حکومت ان کی تعلیم پر دھیان دیتی ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں فنڈ کی کمی ہے۔ اسلیے ایسے انتظامات محال ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب پچاس لاکھ روپیہ غیر مفید طریقۂ تعلیم پر برباد کیا جاسکتا ہے۔ تو کیا حکومت کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہی روپیہ انگلستان و دیگر مغربی ممالک کی طرح منافع بخش سکیموں پر خرچ کرے۔ مجھے اپنے ڈائریکٹر تعلیم کی قابلیت سے انکار نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم غیر کی غلامی میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

چودھری صاحب رحمہ اللہ نے اپنی اس تقریر کے آخر میں جبری تعلیم پر زور دیا۔ لیکن حکومت وقت ایسے کسی مفید مشورے پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ جس پر ۲۹ جولائی ۱۹۲۹ء کو آپ نے کونسل میں پھر اپنا مطالبہ دہرایا اور ڈائریکٹر تعلیم پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا کہ

"ایک نامور ماہر تعلیم یعنی سر جارج اینڈرسن کے ذہن سے نکلے ہوئے یہ الفاظ خوش نما معلوم نہیں ہوتے کہ پرائمری جبری تعلیم کے نفاذ میں ناقابل عبور مصائب کے پہاڑ حائل ہیں۔ جب وہ ایوان میں یہ فرما

رہے تھے۔ کہ ملک میں جبری تعلیم جاری کر دینے سے بد ترین حالات کا سامنا کرنا ہوگا۔ میں حیرت سے یہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اپنے ملک کی روایت سے بھی یکسر غافل ہو گئے ہیں۔ جہاں جبری ذریعہ تعلیم رائج ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ واضح اور صاف فکر کا فقدان اس مصیبت کی جڑ ہے۔ ترقی کی شاہراہ پر کسی قوم کے گامزن ہونے کیلیے صحیح اور صاف فکر کی از بس ضرورت ہے۔"

"میں ۱۹۲۷ء سے حکومت کا رویہ دیکھ رہا ہوں۔ دو سال بیت گئے حکومت ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اور یہ جو کہا گیا کہ ہم تعمیری نکتہ چینی نہیں کرتے۔ ایک ایسا الزام ہے جو یکسر من گھڑت اور غلط ہے۔ بہر حال میں ٹھوس تجاویز آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ انگلستان کا جبری تعلیمی بل یہاں بھی نافذ کر دیا جائے۔ اس میں ایسی ترمیمات کر دی جائیں جو صوبے کے حالات کے مطابق ہوں۔ یعنی پولیس ان آوارہ بچوں کو گرفتار کر کے نزدیکی سکول میں چھوڑ آئے۔ سپاہی کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ زبردستی بچوں کو پکڑ کے لے جائے۔ فیکٹری کے مالکوں پر پابندی لگا دی جائے کہ وہ اپنے ملازمین کی تعلیم کا انتظام کریں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دی جائیں"۔

میاں فضل حسین:

اس سلسلہ میں ہم نے پنجاب میں بھی مساعی کی تھیں مگر اس مقصد کے حصول کی خاطر تعاون و استعانت مفقود تھا"۔

چودھری افضل حق:

غلط ہے، میں یہ تسلیم کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہوں کہ آپ نے ایسے اقدامات اختیار کیے ہوں اور لوگوں نے اعراض برتا ہو۔ سنجیدگی اور ایمانداری سے اگر کوشش کی جائے تو ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں، جناب ڈائریکٹر تعلیم سے استدعا کروں گا کہ وہ اپنی پوری تندہی اور جانفشانی سے ایسی فضا قائم کریں جس کا بڑا شہرہ ہے تو میں سمجھتا ہوں، جبری تعلیم کا کام بڑی آسانی اور خوشگوار طریقے سے سرانجام پا جائے گا۔ ہماری روحیں اس وقت تک چین نہیں لیں گی۔ جب تک ہم اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے مناسب سہولتیں بہم نہ پہنچالیں گے۔"

اس تقریر کے مندرجات شاہد ہیں کہ ہمارے موجودہ حالات آج بھی اسی نہج پر قائم و دائم ہیں۔ جہاں ستر سال پہلے تھے۔ کتنی تبدیلیاں رونما ہوئیں، انقلاب آئے، حکومتیں بدلیں، بلکہ یوں کہیئے کہ نسلیں گذر گئیں لیکن انگریز کے وحشیانہ جبر و استبداد پر مبنی قوانین محض اپنی حکمرانی و تسلط کا قلادہ عوام کی گردنوں پر فٹ رکھنے کے لیے آج بھی برقرار ہیں۔

موجودہ نظام تعلیم اور نصاب نوجوانوں کو بے ہنری اور بیروزگاری کے علاوہ کیا دے سکا ہے۔ بدنام زمانہ لارڈ میکالے کی روح آج بھی اسی نصاب و نظام کے قالب میں رقصاں ہے۔ ہر آنے والی حکومت سابقہ حکومت کی تعلیمی پالیسی کی دھجیاں اڑاتے ہوئے اپنی نئی پالیسی کا پرچم لہراتی ہے۔ لیکن مسائل گھمبیر سے

گھمبیر تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

ضرورت پالیسی سازی کی نہیں پالیسی کے نفاذ اور اس پر عمل در آمد کی ہے۔ ورنہ سابقہ ادوار میں کیا کیا پالیسیاں تھیں جو بنائی نہ گئیں۔ صرف قومی تعلیمی کمیشن ۱۹۵۹ء کی سفارشات پر ہی نظر ڈال لیجئے تو آپ کو بخوبی علم ہو جائے گا کہ اڑتیس برس پہلے بھی اس کمیشن نے ٹیکنیکل تعلیم کو تعلیمی نظام کا لازمی حصہ بنانے کی بھرپر سفارش کی تھی جس کا مطالبہ آج کیا جاتا ہے۔

رہا نظام و نصاب تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا سوال تو کیا اس کے متعلق پہلی تعلیمی کانفرنس مکہ مکرمہ ۱۹۷۷ء اور دوسری اسلامی تعلیمی کانفرنس اسلام آباد ۱۹۸۰ء کی سفارشات کافی نہیں ہیں؟ کیا عظیم اسلامی مفکرین امام غزالی، شاہ ولی اللہ، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور سید ابوذر بخاری کا بیش قیمت فکری سرمایہ اسلامی تعلیمی نصاب و نظام کی تدوین و ترتیب کے لیے کافی و شافی نہیں ہے۔

اگر ارباب بست و کشاد کو بے مقصد نزاعات اور لاحاصل زبانی و کلامی بیان بازیوں سے کبھی فرصت ملے تو ان کی پہلی ترجیح طبقاتی نظام تعلیم کے مکمل سدباب اور نصاب تعلیم کو ٹیکنیکل نظام تعلیم سے لازم و ملزوم کرنے کے ساتھ ساتھ مشرقی و مغربی علوم کے بعد کو ختم کرنے کے لیے انقلابی اقدامات ہونے چاہییں۔ شاید آپ باخبر ہوں کہ جرمنی میں کئی دوسرے ممالک کے برعکس کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم مفت ہے اور وہاں طلباء سے فیس نہیں لی جاتی اور نہ ہی خواص و عوام کے لیے علیحدہ تعلیمی ادارے بنائے گئے ہیں۔ ایک غیر مذھب قوم اگر اپنے طلباء کو ایسی سہولیات اور مساوات سے مزین کر سکتی ہے تو یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم تو اس نظام زندگی "اسلام" کے حامل ہیں جس نے صدیوں سے عالمگیر صداقتوں سے آراستہ معاشرہ اور تعلیم و تعلم کے بیش بہا اصول، اطراف و اکناف عالم میں خورشید جہاں تاب کی طرح اپنی ضیاء پاش کرنوں سے پھیلا رکھے ہیں۔

بقیہ از ص ۴۳

آواز تو دے خانہ خرابانِ وفا کو
اک بار تو لوٹ آ کہ مصائب کا سماں ہے

مگر وہاں تو وہی سکوت ہی سکوت ہوگا، کوئی جواب نہیں ہوگا۔ ہمارے سوال ہمارے ہی کانوں سے واپس ٹکرائیں گے۔

ہا..... ان کا مکان، وہی بیٹھک اب بھی موجود ہے جہاں گئی رات تک محفلیں برپا ہوتیں، وہ ندیم و ہم جلیس بھی موجود ہیں مگر.....

جب سامنے ساغر آتا ہے اک ہوک سی اٹھتی ہے دل میں
ساقی کی ادا یاد آتی ہے محفل کا خیال آجاتا ہے

واحسرتا۔ وانصیبا

احمد معاویہ

مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ

مفکر احرار چودھری افضل حق ......ایک نابغۂ روزگار، عہد ساز و عہد پرور شخصیت اردو ادب میں منفرد اور مستقل اسلوب کے ادیب لبیب، صاحب بصیرت و فراست مفکر اور مدبر، پر جوش دینی و قومی رہنماء، تحریک آزادی کے عظیم انقلابی لیڈر،...... سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے مفکر احرار کا سراپا کچھ یوں لکھا ہے!

رعنا قد گٹھیلا جسم، کشادہ سینہ، شگفتہ رنگ، تبسم فشاں چمکیلی شربتی آنکھیں، اُبھرے ہوئے رخسار، گول چہرہ، ہلکی ہلکی ملگجی ڈاڑھی، لمبی ستواں ناک، تیکھے نقوش، نکیلے خط و خال آواز، بلند اور پاٹ دار، مگر جیل میں سرمہ کھلائے جانے کے بعد سے آخر تک دبی گُھٹی اور وقفہ وقفہ سے کھلنے والی، لہجہ متین اور باوقار، مزاج میں رنگینی اور لطافت، طبیعت میں ظرافت و شرافت، خاندانی وجاہت و تمکنت کا مثالی پیکر" یہ مفکر احرار چودھری افضل حق ہیں۔

چودھری صاحب ۱۸۹۱ میں ضلع ہوشیار پور کے قصبہ گڑھ شنکر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سے لیکر انٹرنس تک امرتسر میں حاصل کی۔ بعد ازاں لاہور آکر پہلے اسلامیہ کالج اور پھر دیال سنگھ کالج میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ طبیعت شروع ہی سے باغیانہ تھی۔ فرنگی سے شدید دلی نفرت کے باوجود خاندانی حالات اور دباؤ کی وجہ سے ۱۹۱۷ میں پولیس میں بطور انسپکٹر بھرتی ہوگئے۔ تربیت سے فارغ ہوئے تو تھانہ صدر لدھیانہ تقرری ہوئی۔

زمانۂ ملازمت میں پہلی جنگ عظیم زوروں پر تھی۔ برطانیہ، فرانس اور دوسرے اتحادیوں کے مقابلہ میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ جرمنی کو اس جنگ میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ آگ اور خون کے اس وحشت ناک کھیل میں جہاں جرمنوں کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا وہاں ترکوں کو بھی عبرت ناک زوال سے دوچار ہونا پڑا۔ برطانیہ اور فرانس نے ترکی کے کئی حصے بخرے کئے اور آپس میں بانٹ کر ان پر قبضہ کرلیا۔ ان دنوں ترکی میں خاندان عثمانیہ کی خلافت قائم تھی۔ ہندی مسلمان اس خلافت کو بڑی عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ترک خلیفہ کو عالم اسلام کا سربراہ تسلیم کرتے تھے۔ ترکوں کی اس حالت زار اور اتحادیوں کی یلغار نے ہندی مسلمانوں کو مضطرب اور بے چین کردیا۔ خاص طور پر جب سقوط خلافت ہوا تو اہل ہند کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔

چودھری افضل حق جو ایک غیرت مند دل لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھی اور وہ اپنے دینی و قومی جذبہ کی بناء پر انگریز کی ملازمت سے جان چھڑانے کی سوچنے لگے۔ انہی دنوں میں سقوط خلافت عثمانیہ کے نتیجہ میں ہندوستان کے اندر "تحریک خلافت" عروج پر تھی۔ جس کی قیادت مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حکیم اجمل خان، مولانا ابوکلام آزاد، علی برادران، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سید محمد داؤد

غزنوی، ایسے حضرات کر رہے تھے۔ تحریک خلافت کے سلسلہ میں ہی لدھیانہ میں مسلمانوں کا ایک عظیم قومی اجتماع ہوا۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خطابات تھے۔ چودھری صاحب سرکاری رپورٹر پولیس کے ہمراہ اپنے "فرائض" کی بجاآوری کے لئے جلسہ گاہ میں موجود تھے۔ تب امیر شریعت کی جوانی جوبن پر تھی۔ آتش جواں کا معاملہ تھا۔ فرنگی سامراج کے خلاف ماحول میں وہ ایک شعلہ نوا خطیب تھے۔ انہوں نے اپنے خطاب کی ابتداء میں حجازی لے میں قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے بعد حقائق و واقعات، ملکی سیاسیات، انگریز سامراج کی دین اسلام سے ازلی دشمنی اور اس کے ظلم و استبداد، خاص طور پر ترکی خلافت کے خاتمہ اور برصغیر میں آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے مجاہدین پر انگریز کے انسانیت سوز مظالم کی تاریخ بیان کی تو دل و دماغ کی گرہیں کھلنے لگیں، سوئے ہوئے باغیانہ خیالات بیدار ہوئے تو ایک نئے چودھری افضل حق نے جنم لیا۔ کارِ سرکار سے واپس لوٹے اور چند ہی روز میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر میدانِ کارزار میں صف نشیں ہوگئے۔ چودھری صاحب نے اپنی فطری استعداد اور پرجوش خیالات کی بنا پر جلد ہی تحریکِ آزادی کے صفِ اوّل کے رہنماؤں میں اپنی جگہ بنالی۔ جس دور میں چودھری صاحب نے قومی زندگی میں قدم رکھے اس وقت افقِ سیاست پر بڑے بڑے نام چھائے ہوئے۔ تب مولانا حسرت موہانی، علی برادران، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا احمد سعید دہلوی، مفتی محمد کفایت اللہ، علامہ محمد اقبال، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، شیخ حسام الدین وغیرہم ان حضرات کا پورے ہند میں طوطی بول رہا تھا۔ جبکہ ہندوؤں میں پنڈت جواہر لال نہرو، لالہ لاجپت رائے، گاندھی جی، سبھاش چندر بوس، سردار منگل سنگھ اور پٹیل کا بڑا نام تھا۔

چودھری صاحب ابتداً تحریک خلافت میں رہے۔ کانگریس کے ساتھ بھی دوسرے اکابر کی طرح اشتراک عمل رہا۔ مگر ہندو بنیا کی تنگ نظری اور تعصب پروری ہر جگہ سنگِ راہ بننے لگی، خاص طور پر کانگریس...... بعض مسلمان ارکان کی جانب سے غیر مناسب رویہ پیش آنے لگا۔ تو چودھری صاحب نے اپنے ساتھیوں، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، شیخ حسام الدین، مولانا ظفر علی خان اور غازی عبدالرحمٰن خان امرتسری، کے ساتھ مل کر، علامہ انور شاہ کاشمیری اور مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ و ایما پر اپنے فکر و عمل، اور خیال و نظر کی عملی تشکیل کے لئے علیحدہ راہ اپنائی اور "مجلس احرارِ اسلام" کے نام سے غریب و متوسط طبقہ کے مسلمانوں کی ایک دینی انقلابی جماعت کی بنیاد رکھی۔ جس کے پہلے صدر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بنے۔ چودھری افضل حق نے کبھی مجلس احرار کا کوئی عہدہ قبول نہ کیا مگر انہیں جماعت میں بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ انہوں نے مجلس احرار کو فکری و نظریاتی اثاثہ مہیا کیا اور اسے انقلابی خطوط پر استوار کیا۔ انہوں نے اپنی جماعتی زندگی میں متعدد قومی تحاریک برپا کیں۔ تحریک کشمیر ۱۹۳۱ء تحریک کپور تھلہ، راجپال کے خلاف تحریکِ ناموس رسالت، قادیانیوں کے خلاف تحریک تحفظ ختم نبوت اور تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ میں قائدانہ کردار ادا کیا اور مکمل رہنمائی کی۔ دو مرتبہ پنجاب اسمبلی کے

رکن منتخب ہوئے اور اپنی ذاتی سعی و کوشش سے متعدد اصلاحات کرائیں۔ خاص طور پر جیلوں کے متعلق ان کی اصلاحات قابل ذکر ہیں۔

چودھری افضل حق نے اپنی ہنگامہ خیز زندگی میں متعدد بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ پہلی مرتبہ جب گرفتار ہو کر ہوشیار پور جیل اور وہاں سے انبالہ جیل میں پہنچائے گئے تو قیدِ تنہائی میں ڈال دیا گیا۔ قریباً چودہ گھنٹے مسلسل پاؤں میں بیڑی، اور ہاتھوں کو اوپر اٹھا کر کڑیاں باندھی گئیں۔ دورانِ خون معطل ہونے کی بنا پر فالج کا زبردست حملہ ہوا۔ دایاں بازو شدید متاثر ہوا۔ اور آخر عمر تک دائیں بازو سے لکھنے کے لئے معذور ہوگئے۔ گلے کی بندش، کھانسی، دمہ، دائمی قبض کے عارضے مستقل طور پر لاحق ہوگئے۔

چودھری صاحب نے اپنی مصروف ترین قومی و جماعتی اور تحریکی زندگی کے باوجود اردو ادب کو نثر میں بیش تر سرمایہ مہیا کیا۔ محبوبِ خدا، دینِ اسلام، جواہرات، شعور، دیہاتی رومان، معشوقۂ پنجاب، آزادیٔ ہند، زندگی، تاریخ احرار، میرا افسانہ، خطوطِ افضل حق، اردو ادب کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان کتب میں مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی مسائل کو بڑے خوبصورت الفاظ اور پیرایۂ زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔

شورش کاشمیری مرحوم کی رائے میں!

''چودھری صاحب کی کتابوں میں ان کی موضوعی حیثیت کے علاوہ جو چیز قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے۔ وہ ان کا پروقار اندازِ بیان ہے۔ جو کبھی شوخی بن کر جھلکتا ہے۔ کبھی تقوی کی طرح خشک ہوجاتا ہے۔ کبھی پیالۂ شراب کی طرح چھلکتا ہے۔ کہیں رعنا فقرے راگوں کے جزیرے معلوم ہوتے ہیں۔ اور کہیں عبارت اس قدر عفت مآب ہو جاتی ہے۔ جیسے نگاہِ غیر کی گستاخی سے کسی پردہ نشین کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی ہو۔ ان کی کتابوں کا پیرایۂ بیان اور مقصد کی افادیت صبحِ بہار کی طرح خنداں ہے۔ الفاظ پر ان کی استادانہ دسترس سے مختلف قسم کی فضائیں مترنم لہجہ میں پیدا ہوتی ہیں جو اپنے گردوپیش کی خود بخود نمائندگی کرتے ہوئے قاری کی گزرگاہ خیال سے گزر جاتی ہیں۔''

چودھری افضل حق کی کتابوں کی تازگی امتدادِ زمانہ کے باوجود آج بھی قائم ہے، اہلِ دانش، ادبِ عالیہ کے دلدادہ اہلِ ذوق آج بھی ان کی کتب کے مطالعہ سے حظ اٹھاتے اور دل و دماغ کو ایک بہترین تفریح سے لبریز کرتے ہیں۔

چودھری صاحب نے اپنے متعدد خطبات و مقالات میں اسلام کے خدمتِ خلق اور مساویانہ نظام کا نعرۂ رستاخیز بلند کیا ہے۔ انہوں نے اقتصادی و معاشی بگاڑ اور معاشرتی برائیوں کو سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار بتایا ہے۔ ذیل کے اقتباس سے یہ چیز بخوبی واضح ہوسکے گی۔

''قرآن و حدیث کی روشنی میں دماغ کے گوشوں کی تاریکی دور کرنے کی ضرورت ہے۔ نبی جائدادوں کے وارث بنائے جاتے ہیں نہ وہ ورثہ چھوڑتے ہیں۔ ہر نبی کی دعوت عوام کے لئے تھی۔ اُمراء کے دل نیکی کا بنجر ہوتے ہیں۔ ان میں اسلام و مذہب کی کھیتی سرسبز نہیں ہوتی۔ اسی لے پیغمبروں نے جب کبھی پکارا

غریبوں کو ہی پکارا۔ جب منظم کیا غریبوں کو ہی کیا۔ اس لئے کہ اسلام کے نزدیک سب عوام ہیں۔ امراء و رؤسا بعد کی پیداوار ہیں۔ اسلام سوسائٹی میں طبقات کا قائل نہیں، سرمایہ دار غریب کے خون کا نچوڑ ہیں اس کے مطابق امرا، غریب کا خون نچوڑنے والی جونکیں ہیں۔ ان کو مٹا کر ہی اسلام زندہ اور قائم رہ سکتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ جہادِ زندگی کے قابل نہیں رہتا۔ اسی لئے تو قرآن نے مالِ غنیمت کو صاحب زر لوگوں میں تقسیم کی کامل ممانعت کر دی تھی۔ مبادا مسلمانوں میں رؤسا کا طبقہ پیدا ہو کر روحِ اسلام کو کمزور کر دے۔ اور غربا کی بربادی کا باعث ہو۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال مزنی رضی اللہ عنہ کی اراضی ضبط قرار دی تھی کہ وہ ان کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ غرض اسلام نے مساوات کو قائم کرنے میں کسی پر رحم کرنا یا لحاظ کرنا قبول نہیں کیا۔ مبادا اسلامی برادری میں اعلیٰ طبقہ پیدا ہو جائے اور نچلے طبقے کی زندگی کو تلخ کر دے۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھو، بعد میں سرمایہ داری ہی حقیقی اسلام کو کھا گئی، سرمایہ داری ختم کرو گے تو اسلام زندہ ہو جائے گا اسی کے خاتمہ پر یہ ملک امن کی بستی ہو سکے گا۔"

دینِ اسلام کا یہ عظیم مبلغ و مناد، محبوب خدا ﷺ کا جانباز سپاہی و شیدائی، تحریک آزادی کا پرجوش، آتش بجاں مجاہد، انقلابی قائد و رہنما اپنی انچاس برس کی مختصر زندگی میں فکر و شعور کے جواہرات بکھیرتا، آزادیٔ ھند کی جنگ لڑتا ہوا ۸ جنوری ۱۹۴۲ء کو اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو سدھار گیا۔ اس عظیم مجاہد کا جنازہ جماعتِ احرار کے اسی دفتر سے اٹھایا گیا جہاں ایک عرصہ قبل اداءِ فرض کے لئے قدم رکھے تھے۔ مشہور انقلابی شاعر علامہ انور صابری مرحوم نے ان کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

حیاتِ افضل کو پڑھ کے انور، یہ راز سمجھا دماغ میرا
زعیمِ فطرت شکار بھی تھا، ادیبِ جادونگار بھی تھا
دل و جگر کی حرارتوں میں، حرارتِ قلب و زندگی تھی!
فقیرِ عالی وقار بھی تھا، غریب کا غم گسار بھی تھا!

بقیہ از ص ۶۰

بن عبدالعزیزؒ۔ وفات اسامہؓ بن زید بن حارثہؓ۔ وفات امام ابو حنیفہؒ۔ وفات سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (۲۲ رجب)

*شعبان: وفات سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ۱۱ھ (بعض روایت میں رمضان ۱۱ھ بتایا جاتا ہے)۔ وفات مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔ وفات حسن بصریؒ۔

مجھے آپ حضرات کے کمالِ علم کا اعتراف ہے۔ اور اسی بنا پر میں امید کرتا ہوں کہ میری اس عاجزانہ درخواست پر آپ حضرات کی طرف سے مثبت رد عمل ہو گا۔ کیوں کہ ان مقدس ہستیوں کا تذکرہ کرنا خود آپ کا بھی فرض ہے۔ بشرطیکہ آپ کو ان مقدس و پاکیزہ ہستیوں سے کوئی کد نہ ہو بلکہ آپ ان سب کی عظمتوں کے معترف ہوں۔

عکس تحریر: چودھری افضل حق

مجلس احرار نے شعبۂ تبلیغ احرار کا جو نظام بنایا تھا۔ اس میں اصلاح و ترمیم کا وقت آگیا ہے۔ شعبۂ تبلیغ احرار کے بعض بہترین ہمدرد پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا وقتاً فوقتاً مشورہ شعبہ کیلئے ضروری ہے۔ علاوہ ازیں شعبۂ احرار کی مختلف شاخیں خود بخود قائم ہو چکی ہیں۔ اُن کے نمائندوں کو تمام حالات سے باخبر رکھنا اور ان کی رائے کو حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ میری تجویز یہ ہے کہ شعبۂ احرار کی جس قدر مجالس قائم ہو چکی ہیں۔ ان کے نمائندوں پر مشتمل ایک مرکزی مجلس مشاورت بنائی جائے۔ اور اسے اختیار دیا جائے کہ وہ تبلیغ اسلام میں دلچسپی لینے والے حضرات کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ اور یہ مرکزی مجلس مشاورت تمام آمد و خرچ پر محاسبہ کرنے کی مجاز ہو۔ علاوہ ازیں وہ اپنی رائے کو ریزولیوشن کی شکل میں پیش کریں۔ اسے شعبۂ تبلیغ احرار کے کارکن حتی الامکان عملدرآمد کریں۔

واضح ہو کہ شعبۂ تبلیغ احرار کا موجودہ کانسٹی ٹیوشن یہ ہے کہ مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی شعبۂ احرار کی کارکن جماعت کو نامزد کرتی ہے۔ اور وہ نامزد شعبۂ احرار کی کارکن جماعت آزادانہ طور سے اپنی رائے کے مطابق تمام کام کرتی رہتی ہے۔ لیکن مجلس احرار کی مجلس عاملہ کو یہ اختیار ہے کہ اپنے شعبہ سے کسی وقت کسی معاملے میں باز پرس کرے۔

اب میری تجویز کے مطابق شعبۂ تبلیغ احرار کو چلانے والی تین جماعتیں ہونگی۔ اول ورکنگ کمیٹی مجلس مرکزیہ احرار جو شعبہ احرار کی کارکن جماعت کو نامزد کریگی۔ دوم، تبلیغ شعبۂ احرار کی کارکن جماعت۔ سوم، مرکزی مجلس مشاورت۔

اگر مجلس شعبۂ احرار کی کارکن جماعت اور مجلس مشاورت کے درمیان کوئی صورت اختلاف پیدا ہو یا کام کے متعلق کہیں جھگڑے کی صورت نظر آئے تو مجلس مرکزیہ احرار ہند کی مجلس عاملہ کا فیصلہ قطعی ہونا چاہیے تاکہ کام ذاتی مناقشات کے باعث خراب نہ ہو۔

نوٹ: — یہ میری ذاتی رائے ہے۔ ممبر صاحبان بحث و تمحیص کیلئے اپنی رائے خود قائم کر سکتے ہیں۔ مجلس عاملہ کا جلسہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۵ء کو بروز جمعۃ المبارک دو بجے بعد دوپہر دفتر مجلس مرکزیہ احرار ہند میں منعقد ہوگا۔

افضل حق

مولانا محمد عبد الحق چوہان رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ کی مظلوم شخصیات

گزشتہ سال ایک قاری نے خاندانِ بنو امیہ کے بارے میں بعض سوالات ارسال کئے تھے۔ اتفاق سے حضرت مولانا عبد الحق رحمہ اللہ تشریف لائے تو سوالات کی نقل ساتھ لے گئے اور چند روز بعد جواب ارسال فرمادیا۔ مسودہ کاغذات میں ادھر ادھر ہو گیا اور شائع نہ ہو سکا۔ آج مولانا ہم میں موجود نہیں مگر ان کی یہ غیر مطبوعہ یادگار تحریر ہمارے قلوب و اذہان کو منور کر رہی ہے۔ مولانا کی یہ انتہائی تحقیقی کاوش نذرِ قارئین ہے (مدیر)

اس وقت چند سوالات ہمارے پیش نظر ہیں جن میں حضرت ابو سفیان صخر بن حرب اموی، ان کی زوجہ محترمہ سیدہ ہند بن عتبہ اور ان کے فرزند سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کو موردِ طعن قرار دیا گیا ہے۔ ان سوالات کا ماخذ تاریخ کی وہ روایات ہیں جو کہ ایک خاص نتیجہ فکر کی عکاس ہیں۔

حضرت ابو سفیان اور ان کی زوجہ محترمہ کا شمار اگرچہ "السابقون الاوّلون" میں نہیں لیکن اس وجہ سے ان کی صحابیت کا انکار تو لازم نہیں آتا کیونکہ صحابہ کرام کے مختلف طبقات ہیں۔ "السابقون الاولون" ایک طبقہ کا عنوان ہے۔ حضرت ابو سفیان کے شرف صحابیت کی اہمیت اس وجہ سے کم نہیں کی جاسکتی کہ وہ فتح مکہ تک اسلام کے مخالف رہے کیونکہ اس معاملہ میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی کئی ایسے صحابہ ہیں جو کہ فتح مکہ تک اسلام کے مخالف رہے۔ مثلاً عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، اور نبی کریم ﷺ کے عم زاد برادر سیدنا ابو سفیان مغیرہ بن حارث ہاشمی .... ان کے علاوہ کئی صحابہ ہیں جو فتح مکہ کے بعد شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ اگر اسلام میں عدم اخلاص کی یہی وجہ ہے تو پھر ۹ھ میں جو عرب کے وفود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے؟

فتح مکہ سے قبل قرآن مجید کی ایک آیت نازل ہوئی جس میں مکہ کے قریش کے متعلق پیش گوئی کی گئی کہ عنقریب وہ مسلمان ہو کر تمہارے دوست بن جائیں گے۔ وہ آیت یہ ہے

"عسى الله ان يجعل بينكم و بين الذين عاديتم منهم موده"

ترجمہ: عنقریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کر دے دوستی تم میں اور ان میں جو تمہارے دشمن ہیں۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں فتح مکہ سے قبل مسلمان ہونے والے افراد اور بعد والے افراد کے لئے بشارت ہے۔ اب اگر ان سبائی روایات پر اعتماد کر کے حضرت ابوسفیان کو غیر مخلص کہا جائے تو پھر قرآن مجید کی اس پیش گوئی کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جو کہ عقلاً محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلص مومن اور منافق کے امتیاز کے لئے قرآن مجید میں جو معیار قائم کیا ہے اس کے مطابق بھی سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ مخلص مومن ہیں۔ سورۃ توبہ جس میں منافقین کی علامات کا بیان ہے اس میں بطور معیار کے یہ آیت ہے۔

"لایستاذ نک الذین یومنون باالله و الیوم الآخر ان یجاهد
واباموالهم و انفسهم والله علیم باالمتقین"

ترجمہ: نہیں رخصت مانگتے تجھ سے وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر اس سے کہ جہاد کریں اپنے اموال اور جان سے اور اللہ تعالیٰ متقین کو خوب جانتے ہیں۔

انما یستاذنک الذین لہ یومنون باللہ والیوم الآخر

ترجمہ: رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر۔ قرآن کی ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد سے غفلت اختیار کرنا نفاق کی علامت ہے اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے بعد ہمیشہ جہاد میں مصروف رہے۔ فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں شریک ہوئے پھر اسکے بعد محاصرۂ طائف میں شریک ہوئے۔ اسی محاصرہ کے دوران دشمن کی جانب سے ایک تیر آیا اور ان کی آنکھ پر آکر لگا جس سے ان کی آنکھ چشم خانہ سے نکل کر رخسار پر آگئی یہ اسی حال میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ سرور کائنات ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھ کر ارشاد فرمایا اگر کھو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں آنکھ صحیح سالم ہوجائیگی اور اگر صبر کرو تو جنت ہے۔ ارشاد نبوی سن کر یہ اپنی تکلیف بھول گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے جنت چاہیئے اور پھر خود ہی آنکھ کے ڈھیلے کو کاٹ کر پھینک دیا۔ کیا جنت کی بشارت منافقین کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ اور کیا اس طرح کے ایثار کی توقع منافق سے بھی ہو سکتی ہے؟

محاصرۂ طائف کے بعد نبی کریم ﷺ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ اور ابو سفیانؓ کو مشرکین کے ایک صنم خانہ کے انہدام پر مامور کیا اور انہوں نے کامیابی سے یہ خدمت سرانجام دی اور پھر نبی کریم ﷺ نے ان کو نجران کا والی مقرر کیا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلافت صدیقی میں شام کی جانب جب لشکر اسلامی روانہ کیے گئے۔ ابو سفیان کا پورا گھرانہ شام کے جہاد کے لئے روانہ ہوگیا۔ جنگ یرموک میں یہ اس دستۂ فوج میں شریک تھے جو ان کے فرزند گرامی قدر سیدنا یزید الخیر کے زیر قیادت تھا۔ اس جنگ میں رومیوں کا لشکر تقریباً تین لاکھ تھا۔ اور مسلمانوں کی تعداد کل چالیس ہزار تھی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کے سامنے یہ تقریر کی۔

مسلمان! تم دشمن کے ملک میں ہو اور وطن سے بہت دور۔ دشمن تم سے تعداد میں بہت زیادہ ہے اور تم کو صفحہ ہستی سے مٹادینا چاہتا ہے۔ لیکن فتح و شکست کا انحصار نہ تعداد پر ہے نہ کسی کے غیظ و غضب پر تم لوگ عرب کا خلاصہ اور اسلام کے دست و بازو ہو اللہ پر بھروسہ کر کے کمر ہمت باندھ لو اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہو ان شاء اللہ تعالیٰ رحمت حق تم پر بارش کی طرح برسے گی۔

اور دوران جنگ پرسوز آواز میں یہ دعا مانگتے رہنا۔

"اے نصرت خداوندی جلد آ"۔ اسی جنگ میں ان کی دوسری آنکھ بھی راہ حق میں شہید ہوگئی اور یہ مجاہد اسلام ۳۴ھ میں دنیائے فانی سے انتقال کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت معاویہؓ کے اسلام کے متعلق یہ عرض ہے کہ تاریخی روایات اس کے متعلق مختلف ہیں -حدیث کی امہات الکتب صحاحِ ستہ میں کتاب الحج میں حضرت ابن عباسؓ کے واسطے سے یہ روایت ہے کہ

قال ابن عباس قال لی معاویہ اعلمت انی قد قصرت من رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عند المروۃ بمشقص

ترجمہ: اے ابن عباس کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے بال تیر کے بھالے سے مروہ کے پاس کاٹے

اس روایت کے محمل اور مصداق میں کئی احتمال ہیں - یا تو حجۃ الوداع کاواقعہ ہے یا عمرۃ القضا کا یا عمرۂ جعرانہ کا جو نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین کے بعد ادا کیا تھا- یہ واقعہ حجۃ الوداع کا تو نہیں بن سکتا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں حلق کرایا ہے قصر نہیں اور وہ بھی منیٰ میں - اور عمرہ جعرانہ کا بھی نہیں اس لئے کہ آپ کا یہ عمرہ مخفی طریق پر ہوا- عام صحابہ کو اسکی اطلاع نہیں ہوئی - یہ عمرہ آپ نے عشاء کی نماز کے بعد اور فجر سے پہلے ادا کیا تھا- اس عمرہ میں آپ کے ہمراہ چند خواص تھے- اس لئے لازماً یہ عمرۃ القضاء کاواقعہ ہے جو کہ ۷ھ کو ہوا- اس سے ثابت ہوا کہ ۷ھ میں حضرت معاویہؓ شرف اسلام سے مشرف ہوچکے تھے- اوراس وقت عام قریش جو کہ کفر کی حالت میں تھے مکہ سے باہر چلے گئے تھے- حضرت معاویہؓ کا عام کفار کی طرح مکہ سے باہر نہ جانا بلکہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر رہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا یہ طرز عمل نبی کریم ﷺ کی اجازت سے تھا جب کہ سیدنا عباسؓ کا طرز عمل تھا کہ وہ بھی بہت پہلے اسلام لاچکے تھے لیکن آپ ﷺ کی اجازت سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ سے کئی دن پہلے اسکا اظہار کیا تھا-سیدنا معاویہؓ تاریخ کی وہ مظلوم شخصیت ہیں کہ جن کے ہر عمل و کردار کو مورد اعتراض قرار دیا گیا ہے- لباس خوراک نشست و برخاست اور خلافت- حالانکہ حضرت معاویہ وہ خلیفۂ راشد ہیں کہ جن کے دور خلافت وامارت میں اسلامی مملکت نے بہت ہی ترقی کی اور اسلامی سلطنت کے دائرہ میں بہت ہی وسعت حاصل ہوئی -اسلامی بحریہ کی بنیاد کا سہرا بھی انہیں حاصل ہے-اس وقت ہمارے سامنے جو سوالات ہیں ان میں بھی یہی کیفیت ہے- حضرت معاویہ کے والد سیدنا ابوسفیان کے مخلص مسلمان ہونے کا انکار، ان کی والدۂ محترمہ سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض اور پھران کی ذات پر اعتراض، حتیٰ کہ ان کے لباس اور خوارک پر اعتراضات ہیں - اس وقت ہمارا روئے سخن اس اعتراض کی جانب ہے جوان پر یزید کی ولی عہدی کی وجہ سے ہے-

حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں اسلامی حکومت کی وسعت کچھ اس طرح تھی- بخارا سے لیکر مغرب میں قیروان تک اور اقصائے یمن سے قسطنطنیہ تک یہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے زیر نگین تھے اور بقول بعض مؤرخین کے خراسان سے لے کر مغرب میں بلاد افریقہ تک اور قبرص سے لیکر یمن تک یہ سب ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت تھے-ظاہر ہے اتنی وسیع سلطنت کے نظم وانتظام کو قائم رکھنے اور اس کے استحکام کی بڑی ضرورت تھی - حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد مسلمانوں کی باہمی خوں ریزی کے ہولناک

مناظر حضرت معاویہؓ کے سامنے تھے۔ خود ان کی کوشش اور سیدنا حسنؓ کے حسن تدبر اور مصالحت جوئی کے باعث مسلمانوں کی یہ خانہ جنگی ختم ہوئی۔ اور پھر دوبارہ اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے اسی صورتحال کے پیش نظر یہ ضرورت محسوس کی کہ اپنی زندگی میں ہی آنے والے خطرات کی پیش بندی کرنے کے لئے اس کا انتظام کر جائیں اور اسی ضرورت کے تحت انہوں نے مختلف بلاد سے آنے والے وفود سے اس معاملہ میں مشورہ کیا اور بحث و تمحیص کے بعد آخر یہی طے پایا کہ یزید کو ہی ولی عہد نامزد کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت کے حالات اسی عمل کے متقاضی تھے۔ اس لئے کہ اگر یزید کو نامزد نہ کیا جاتا تو پھر انتشار و انشقاق کا خطرہ تھا۔ اس ملی ضرورت اور حیات اجتماعی کو برقرار رکھنے کے لئے سیدنا معاویہؓ نے یہ اقدام کیا۔ حضرت معاویہؓ کے اس اقدام کے زمانہ کے متعلق مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں بعض کے نزدیک اسکا زمانہ ۵۰ھ کا ہے اور بقول بعض کے یہ ۵۶ھ کا واقعہ ہے۔ بہر کیف جو صورت حال بھی ہو یہ زمانہ صحابہ اور اکابر تابعین کا ہے۔ کیونکہ صحابہ کے زمانہ کا اختتام ایک روایت کے مطابق ۱۰۳ھ ہے اور ایک روایت کے مطابق ۱۱۰ھ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت صحابہ کی تعداد کثرت کے ساتھ ہوگی سوائے چار صحابہ کے کسی صحابی اور تابعی نے حضرت معاویہؓ کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا اور پھر ان چار میں سے دو حضرات نے بھی بیعت کرلی۔ اور حضرت معاویہؓ کے اس عمل پر صحابہ کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل درجۂ جواز میں ہے کیونکہ شرعی احکام کا علم اور اس وقت کے حالات کو بعد والے لوگوں سے وہ زیادہ جانتے تھے۔ اس لئے ان کے فیصلہ کو بعد میں آنے والے لوگوں کی رائے پر فوقیت حاصل ہے۔ اور جو لوگ حضرت معاویہؓ کے اس عمل پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان سے یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ کیا؟ کوئی نص شرعی ایسی موجود ہے جس میں ثابت ہوتا ہو کہ خلیفہ اپنی زندگی میں اپنے بعد خلیفہ ہونے کے لئے کسی شخص کو مقرر نہیں کرسکتا۔ جبکہ صحابہ کا عمل اس نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ خلیفہ اوّل بلافصلِ رسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنی زندگی میں ہی سیدنا عمرؓ کو اپنی خلافت کے لئے نامزد کیا تھا اور کسی صحابی نے بھی ان کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ گویا خلافت کے لئے ولایت عہد کی نامزدگی کا جواز صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے۔

ان معترضین حضرات سے دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کے عدم جواز پر کوئی شرعی نص پیش کی جائے۔ جبکہ اس معاملہ میں بھی صحابہ کا عمل اس کے خلاف ہے۔ سیدنا عمرؓ کی زندگی کے آخری ایام میں جب صحابہ کو ان کے بعد خلافت کے متعلق تشویش ہوئی تو بعض حضرات نے یہ رائے دی کہ آپ اپنے بعد خلافت کے لئے اپنے فرزند عبداللہ کو نامزد کر جائیں۔ اگر یہ نامزدگی ناجائز ہوتی پہلے تو یہ رائے بھی پیش نہ ہوتی اور اگر بالفرض یہ اس رائے پیش کرنے والے کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا تو حاضر صحابہ میں سے کوئی صحابی کہتا کہ بھائی تم یہ کیسی رائے پیش کررہے ہو کہ جس پر عمل کرنا شرعاً ناجائز ہے اور خود حضرت عمرؓ اسکی رائے کو رد کرتے لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری یہ تجویز شرعی قانون کے اعتبار سے ناجائز ہے۔ بلکہ آپ نے جواباً یہ فرمایا۔

"اگر یہ خلافت اچھی چیز ہے تو یہ ہمیں حاصل ہوچکی اور اگر بری ہے تو یہی کافی ہے کہ اسکے

نتیجے میں صرف میں ہی محسوب ہوں اور امت محمدیہ کے امور کی جواب دہی صرف مجھ تک ہی محدود رہے۔ میں اپنے خاندان کو اس مصیبت میں پھنسانا نہیں چاہتا"۔

ایک ایسا عمل کہ جسکے عدم جواز پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں اور صحابہ کے عمل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہو اگر یہی عمل حضرت معاویہؓ نے سرانجام دیا ہو تو ان کو اسی عمل کے باعث مورد طعن قرار دینا قرین انصاف نہیں۔ پھر اس سوال کی دوسری شق میں حضرت معاویہؓ کو ان کے لباس کے باعث مورد طعن قرار دیا گیا ہے۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے لباس کے متعلق کتب تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کے جسم پر پیوند شدہ لباس ہوتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ والے واقعہ میں جس نوعیت کے لباس کا تذکرہ ہے وہ بھی ثابت ہے۔ لیکن جب سیدنا عمرؓ حضرت معاویہؓ کے جواب پر خاموش ہو گئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے جواب کو صحیح تسلیم کیا ورنہ حضرت عمرؓ کے متعلق تسامح کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ جب اصل معترض نے جواب کو صحیح تسلیم کیا تو پھر اسکے بعد کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ کہے کہ "یہ عذر ناقابل قبول ہے"۔

ایک سوال میں حضرت معاویہؓ کی مہمان نوازی اور ان کے دسترخوان کی وسعت کو بھی مورد طعن قرار دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قانون اسلام میں کفالت عامہ کی ایک شق ہے اسی مد میں بیت المال سے وظائف کا اجراء کیا جاتا ہے اور باقی رہا ان کی مہمان نوازی وہ ان کے ذاتی مال سے ہوتی تھی وہ کوئی موجودہ زمانہ کے حکمران نہیں تھے کہ ملکی خزانہ کو ذاتی ملکیت تصور کریں۔ حضرت معاویہؓ نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر باعتماد صحابی ہیں ان کے متعلق خیانت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خداوند قدوس نے صحابہ کرامؓ کے جو اوصاف بیان کئے ہیں ان اوصاف کے حامل سے خیانت نہیں ہو سکتی وہ تو اس قدر ایثار پیشہ تھے کہ زندگی کے آخری ایام میں اپنی ذاتی جائداد کا نصف حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تھا۔

ایک سوال میں سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے اختلاف کا تذکرہ ہے اور اس سوال میں یہ کہا گیا ہے۔ ان کی باہمی عداوت اور دشمنی جو چالیس جنگوں پر محیط ہے، حتیٰ کہ خطبوں میں طعن و تشنیع بلکہ لعنت و ملامت تک نوبت پہنچ گئی تھی۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف کوئی ذاتی عداوت پر مبنی نہیں تھا بلکہ ایک اجتہادی امر میں ان کا اختلاف تھا اور ان جنگوں کی تعداد بیان کرنے میں بھی مبالغہ آمیزی ہے اور لعن طعن کے بیان میں سبائی ذہن کے اختراع کردہ روایات کی کارفرمائی ہے۔ کیونکہ لعن و طعن کی روایات کے متعلق ناقدین فن کا یہ فیصلہ ہے۔

واما اخبار اللعن فمن اکاذیب التاریخ لانہ لم یقل احد المخاصمین
بکفر الاخر حتی یجوزلہ لعنہ بل یعتقد انہ مومن (اتمام الوفاء ص ۲۵۹)

ترجمہ: ان صحابہ کا ایک دوسرے پر لعن کرنے کی روایات یہ مؤرخین کی جھوٹی روایات ہیں کیونکہ ان

دونوں جماعتوں میں سے کوئی بھی دوسرے مخالف گروپ کو کافر نہیں سمجھتا تھا تاکہ اس پر لعنت کرنے کو جائز سمجھتا ہو بلکہ ہر ایک دوسرے کے متعلق یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ وہ مومن ہے

اور جن روایات سے ہمارے معترضین حضرات متاثر ہیں اس طرح کی روایت بیان کرنے والے مؤرخین کے متعلق بطریق تحزیر کے یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔

وایاکم و دجالین و کذابین من المؤرخین قصنت علیهم ظروف زمنهم ان یقبلو الحقائق و یکذبو اعلی لله و علی الله الامت الاسلامیه فینسبون الاقبائح لاصحاب رسول اللهؐ (اتمام الوفاء ص ۲۵۹)

ترجمہ:- تم اپنے آپ کو ان دجال صفت اور جھوٹے مؤرخین سے بچاؤ جو کہ اپنے زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر حقائق کے خلاف روایات بیان کرتے ہیں اور ان روایات میں اللہ تعالیٰ اور امت اسلامیہ کی جانب کذب بیانی کر کے صحابہ کرامؓ کی جانب قبیح کردار کی نسبت کرتے ہیں۔

باقی رہا صحابہ کرام کے اس اختلاف اور اجتہادی اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس اختلاف کا فیصلہ پیغمبر ﷺ نے خود ہی پیشگی فرما دیا ہے۔ ایک حدیث ہے کہ

عن عمر بن الخطابؓ قال سمعت رسول اللهؐ یقول سئلت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاولی الی یا محمدؐ ان اصحابک عندی بمنزلته النجوم فی السماء قویٰ من بعض ولکل نور،فمن احذ بشییٔ ماہم علیه من اختلافهم فهو عندی علیٰ هدیٰ (مشکوة باب مناقب الصحابته ص ۵۵۴ ج ۲)

ترجمہ:- حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنے بعد ظاہر ہونے والے صحابہؓ کے اختلاف کے متعلق سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی نازل کی اور فرمایا کہ اے محمد ﷺ تیرے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں۔ بعض ستارے روشنی کے لحاظ سے بعض ستاروں سے قوی ہیں لیکن نور ہر ایک میں موجود ہے۔ جو شخص بھی ان کے اختلافی امور میں جنکی اقتداء کرے گا وہ شخص میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے اختلاف کی نوعیت عام مجتہدین کے اختلاف کی طرح نہیں۔ بلکہ ان کے اختلاف میں اصابت حق کا نور دونوں جانب میں موجود ہے البتہ اسکی کیفیت میں فرق ہے بعض میں زیادہ اور بعض میں کم لیکن ہے دونوں جانب میں نور۔ اس لئے اس حدیث کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ دونوں حضرات مصیب ہیں۔

ایک سوال میں سیدنا معاویہؓ کی والدہ سیدہ ہند پر اعتراض ہے کہ انہوں نے ایک میت کا کلیجہ نکال کر چبایا اس درندگی کے باوجود ایسی خاتون کے نام کے ساتھ "سیدہ" لکھنا کہاں تک مناسب ہے؟ معذرت کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ اس خاتون کا صحیح نام "ہند" ہے نہیں اور پھر جس فعل کی نسبت ان کی جانب کی گئی ہے ان

کا وہ فعل دور کفر کا ہے اور شریعت کا قانون ہے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے "الاسلام یھدم ما کان قبلہ" یعنی اسلام لانے کے باعث زمانہ کفر کے پہلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ خاتون مشرف بہ اسلام نہ ہوتیں پھر اگر کوئی شخص ان کے نام کے ساتھ لفظ "سیدہ" تحریر کرتا تو پھر واقعی اس شخص کا یہ عمل قابل مذمت ہوتا۔ پھر ان کے مسلمان ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کی جو گفتگو ہوئی ہے وہ سبائی نظریہ کی تکذیب کرتی ہے اور یہ گفتگو حدیث کی امہات الکتب صحاح ستہ میں موجود ہے۔

ہند ------ یارسول اللہ ﷺ اس سے پہلے آپ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی دشمن نہ تھا لیکن آج حضور ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب و محترم نہیں۔

نبی کریم ﷺ میرے نزدیک بھی یہی صورت حال ہے۔ پھر سوالات کے آخر میں یہ فقرہ نصیحت آمیز ہے۔ کتابوں کے حوالوں سے قطع نظر کیونکہ ہر کتاب اپنے مصنف کے رجحان طبع کی عکاس ہوتی ہے۔ اس نصیحت آموز فقرہ کے بعد ان سوالات کے جوابدہی کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ جب کتابوں کے حوالہ جات اور ان کی روایات کی وجہ سے جواب میں مصنف کے رجحان طبع کے عکس ہونے کا خطرہ ہے اور اسی باعث جواب صحیح نہیں رہتا تو ان سوالات کے متعلق یہی کچھ کہا جاسکتا ہے کہ ان تمام سوالات کا مرجع و ماخذ تاریخ کی وہ روایات ہیں کہ جن میں ایک خاص نظریہ اور نتیجہ کی عکاسی ہے۔

بقیہ از ص ۱۶

بوسہ دینے سے گریزاں کیوں ہو　　اس کی داڑھی ہے کوئی خار مغیلاں تو نہیں!

آزاد کشمیر کے ٹن وزیر صحت سردار اصغر آفندی نے سرعام پیشاب کر دیا۔ (ایک خبر)

* اصغر آفندی فلم "انسان اور گدھا" دیکھیں

نواز شریف کے مستعفی ہوئے بغیر اندھیرے ختم نہیں ہوں گے۔ (راؤ سکندر)

* اکھوں انہاتے ناں نور دین

کالے دولہا کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔ بارات دلہن کے بغیر لوٹ آئی۔ (ایک خبر)

* ایمکس کریم استعمال نہ کرنے کا شاخسانہ

لغاری ایوان صدر سے رخصت ہو گئے۔ کوئی الوداع کہنے نہ آیا۔ (ایک خبر)

* بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے!

محمد رفیق تارڑ صدرِ مملکت منتخب ہو گئے (اخبارات کی شہ سرخی)

* ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

مفتی محمد مراد ھالیجوی مدظلہ
شیخ الحدیث جامعہ حمادیہ منزل گاہ سکھر

مرتد اور اولاد المرتد کی شرعی حیثیت

اصول دین میں کسی بھی اصل کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ مثلاً توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کا منکر اگر ابتداً کافر تھا۔ تو اب بھی کافر رہے گا۔ لیکن پہلے مسلمان تھا بعد میں اصول دین کا انکار کیا تو مرتد کہلائے گا۔

ختم نبوت اصول دین میں شامل ہے اس کا منکر مرتد ہے۔ یہ ایک واضح بات ہے اور مسلمانوں کے تمام مسالک میں سے کوئی بھی اس میں اختلاف نہیں رکھتا۔ اس لئے جو شخص مسلمان تھا بعد میں قادیانی یا لاہوری مرزائی عقیدہ اختیار کیا وہ اجماع امت اور دلائل قطعیہ سے مرتد ہے۔ اور جو شخص کسی قادیانی یا مرزائی کے گھر پیدا ہوا وہ بھی مرتد ہے۔ فقہاء امت کا اس میں اجماع ہے۔ سلف صالحین میں سے کسی بھی فقیہ نے اس کے مرتد ہونے میں اختلاف نہیں کیا۔ ملک العلماء علامہ کاسانی اپنی مشہور زمانہ کتاب بدائع الصنائع، ج ۷ ص ۱۳۹ میں رقم طراز ہیں"

وان کان مولودا فی الردۃ بان ارتد الزرجان ولدھماثم حملت المراۃ من زوجھا بعد ردتھا وھما مرتدان علی حالھما وفھذا الولد بمنزلتہ ابویہ لہ حکم الردۃ"

یعنی میاں بیوی دونوں مرتد ہوگئے اور ان کے یہاں اولاد نہ تھی بعد میں بیوی اپنے خاوند سے حاملہ ہوئی اور دونوں مرتد رہے۔ تو ماں باپ کی طرح اس بچہ پر مرتد ہونے کا حکم لگے گا۔ فقیہ الامت علامہ ابن ھمام فتح القدیر ج ۵ ص ۳۲۷ پر لکھتے ہیں

"اما جبر الولد فلانہ یتبع ابویہ اواحد ھما فی الدین فیکون مسلماً باسلامھا و مرتد بردتھما فلما کان مرتداً بردتھما اجبر کما یجبران"

یعنی مرتد کی اولاد کو اسلام لانے پر اس لئے مجبور کیا جائے گا۔ کہ دین میں ماں باپ دونوں یا ایک کا تابع ہوتا ہے پس دونوں کے مسلمان ہونے پر مسلمان کے حکم میں ہوگا۔ اور دونوں کے مرتد ہونے کی صورت میں مرتد ہوگا۔ جس طرح مرتد ماں باپ کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس اولاد کو بھی مجبور کیا جائے گا۔ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی ج ۲ ص ۶۰۶ پر لکھتے ہیں

"واذا ارتد الرجل و امراتہ والعیاذ باللہ ولحقا بدارالحرب فحملت المراۃ فی دارالحرب فولدت ولد وولد لولدھما ولد فظھر علیھماجمیعاً فالو لدان فئی

"یعنی مرد اور عورت (العیاذ باللہ) مرتد ہو کر دارالحرب فرار ہوگئے۔ وہیں دارالحرب میں عورت حاملہ ہوگئی اور بچہ جنا اور اولاد کو بھی اولاد ہوگئی بعد میں ان سب پر غلبہ حاصل ہوا تو یہ بیٹے پوتے سارے مال غنیمت میں سے ہوں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بیٹے پوتے ساری اولاد کا ایک ہی حکم ہے۔

اگر کسی کو شبہ لگے کہ اولاد پر مرتد ہونے کا حکم صرف دارالحرب میں فرار ہوجانے کی صورت میں ہے۔ شاید دارالاسلام میں مرتد کو اگر اولاد ہو تو اسکا حکم مختلف ہوگا۔ اس شبہ کو رد کرتے ہوئے علامہ اکمل الدین محمد بن محمود

البابرتی اپنی مایہ ناز کتاب العنایہ شرح الہدایہ ج ۵ ص ۳۲۷ پر فرماتے ہیں

"قیل ذکر دارالحرب وقع اتفاقاً فانها اذا حبلت فی دارنا ثم لحقت بہ بدارالحرب فالجواب کذالک لعلہ مشتمل علی فائدہ وہی ان العلوق متی کان فی دارالحرب کان العبد عن الاسلام باعتبار الدار لکون الدار جھتہ فی الاستبتاع فی الجبرھناک یکون جبراً ھنا بالطریق الاولی"

یعنی دارالحرب کی قید اتفاقی ہے ورنہ دارالاسلام میں مرتدہ اگر حاملہ ہوجائے تب بھی یہی حکم رہیگا شاید اس قید کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب دارالحرب میں حمل ٹھہرے تو اسلام سے دور جاکر حمل ٹھہرا اور جب دارالاسلام میں حمل ٹھہرے گا تو دار کے لحاظ سے اسلام کے قریب حمل ٹھہرا۔ کیونکہ اولاد کا حکم ماں باپ والالگانے میں دار بھی ایک سبب ہے تو جب وہاں حمل ٹھہرنے کی صورت میں جبر ہوگا تو یہاں دارالاسلام میں حمل ٹھرنے کی صورت میں بطریق اولیٰ اسلام لانے پر مجبور کیا جائیگا۔ علامہ سعدی آفندی نے عنایہ کے حاشیہ میں اس مسئلہ کی مزید وضاحت کی ہے۔ طوالت کے خوف سے چھوڑ دیتا ہوں۔

فقہا ملت حنفیہ بیضاء کی اتنی تصریحات کے بعد قادیانیوں کی اولاد کو اھل کتاب سے ماننا ایک ناقابل فہم بات ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ پر مزید تحقیق و تدقیق کی ضرورت نہیں مگر نورعلیٰ نور کے مصداق اھل کتاب کی تشریح بھی قانون اسلامی کے ماہرین کی روشنی میں بیان کرتا ہوں۔ علامہ ابن القدیر شرح ہدایہ پر لکھتے ہیں "الکتابی من یوٴمن بنبی و یقر بکتاب" ج ۳ ص ۱۳۵ یعنی اھل کتاب وہ ہیں جو نبی پر ایمان لائیں۔ اور کتاب کا اقرار کریں۔ مثلاً یہودی موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور تورات کو آسمانی کتاب کہتے ہیں۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو نہیں مانتے جو موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے بعد آئے ہیں۔ اس طرح نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو مانتے ہیں مگر محمد ﷺ اور قرآن مجید کو نہیں مانتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اہل کتاب ایسا ٹولہ جو سچے نبی اور سچی کتاب پر اپنے منحرف عقیدہ کے مطابق ایمان لاتے ہیں اور انبیاء سابقین اور کتاب سابقہ کو بھی مانتے ہیں صرف بعد میں آنے والے سچے نبی اور سچی کتاب کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن قادیانیوں کی اولاد اس قانون پر پوری نہیں اترتی کیونکہ وہ ایک جھوٹے شخص کو نبی مانتے ہیں۔ اور جھوٹی عبارتوں کو آسمانی وحی سمجھتے ہیں۔ ایسے شخص کو اہل کتاب سے سمجھنا فہم کا قصور ہے۔ مثال کے طور پر نصاریٰ کے نزدیک یہودی اہل کتاب ہیں کیونکہ نصاریٰ کتاب تورات کو بھی مانتے ہیں۔ لیکن یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق نصاریٰ اہل کتاب میں سے نہیں کیونکہ یہودی عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو سچا ہی نہیں مانتے یہ مثال محض شرط کو ذہن نشین کرانے کے لئے دی گئی ہے ورنہ مماثلت من کل الوجوہ نہیں ہے۔ کیونکہ قادیانی نہ صرف ہمارے عقیدہ کے مطابق بلکہ فی الواقع ایک جھوٹے مدعی کو نبی کو مانتے ہیں۔

فتویٰ کی مستند کتاب الدرالمختار ج ۲ ص ۲۸۹ پر نبی اور کتاب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں (وصح نکاح کتابیتہ) ذکرہ تنزیہا (مومنہ بنبی) مرسل (ومقرۃ بکتاب) منزل

اہل کتاب کی تعریف کرتے ہوئے نبی کے ساتھ مرسل کی قید لگائی ہے یعنی اہل کتاب ایسے شخص کو کہا جائے گا۔

جو نبی مرسل یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بھیجے ہوئے نبی کو مانتا ہو، جو شخص جھوٹے نبی کو مانتا ہو وہ نبی مرسل پر ایمان پر ایمان لانے والا نہیں کہلائے گا۔ اور کتاب کے ساتھ منزّل کی قید لگا کر وضاحت کردی کہ غیر منزل یعنی جھوٹی کتاب کو ماننے والا اہل کتاب سے نہیں۔

علامہ ابن ہمام فقیہ امت کی تعریف اور صاحب الدر المختار کی تشریح کے بعد قادیانیوں کو اہل کتاب کا حکم لگانا فقہ اسلامی سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ علامہ شامی اپنی کتاب ردالمحتار ص ۲۸۹ میں "قولہ مقترۃ بکتاب" کے ذیل میں لکھتے ہیں

"فی النھر عن الذیلعی ان من اعتقد دیناً سماویاً ولہ کتاب منزل کصحف ابراہیم و شیث وزبور داؤد فھو من اہل کتاب فتجوز نا کحتھم و اکل ذبائحھم"

یعنی جو دین سماوی پر اعتقاد رکھتا ہو اور اس کو منزّل کتاب بھی ہو جیسے صحیفہ ابراہیم و شیث علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کا زبور تو وہ اہل کتاب ہے۔ اس سے نکاح کرنا اور اس کا ذبیحہ کھانا حلال ہے دین کے ساتھ سماوی کی قید لگا کر من گھڑت دین کو خارج کیا کہ جعلی دین والا آدمی اہل کتاب سے نہیں ہے

قادیانیوں کا دین سماوی نہیں بلکہ من گھڑت ہے اور قادیانیوں کا پیشوا جھوٹا مدعی نبوت ہے ان سے اہل کتاب جیسا سلوک کرنا از روئے شرع حرام ہے۔ بلکہ ان سے مرتد جیسا سلوک کیا جاوے گا۔ یہی قانون اسلامی کا صریح تقاضہ ہے خلاصہ بحث یہ کہ اہل کتاب کے لئے دو شرط ہیں ایک یہ کہ اہل کتاب وہ شخص ہے جو سچے نبی اور سچی کتاب سماویہ کو اپنے منحرف عقیدہ کے مطابق مانتا ہو اگر جھوٹی کتاب کو وحی اور جھوٹے مدعی نبوت کو نبی مانتا ہو تو وہ اہل کتاب نہیں ہو سکتا۔ جیسے قادیانی

دوسری شرط یہ ہے کہ ہر آنے والی سچی امت اپنے سے پہلے والی سچی امت کو اہل کتاب کہہ سکتی ہے لیکن بعد میں آنے والی سچی امت کو اہل کتاب نہیں کہہ سکتے۔ جیسے عیسائی یہودیوں کو اہل کتاب کہہ سکتے ہیں یہودی عیسائیوں کو اہل کتاب نہیں کہہ سکتے۔ اور امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عیسائیوں اور یہودیوں کو اہل کتاب کہہ سکتے ہیں۔ لیکن عیسائی اور یہودی مسلمانوں کو اہل کتاب نہیں کہہ سکتے۔ اس قاعدہ کے مطابق قادیانی اگر بالفرض سچی امت ہوئے تب بھی اہل کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ وہ جھوٹے دجال کے متبع ہیں۔ ان کو اہل کتاب کیسے کہا جا سکتا ہے چونکہ قادیانی مرتد ہیں اس لئے ان کو مسلمانوں کے ملک میں امن و امان کے ساتھ رہنے کی شرعاً اجازت نہیں دی جا سکتی اگر بالفرض خلاف واقع ذہنی تصور کیا جائے تب بھی ذمہ قبول نہ کرنے کی صورت میں امن و امان کا معاہدہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن ہمام اپنی کتاب فتح القدیر ج ۵ ص ۳۰۳ پر تحریر کرتے ہیں

"قید بادائھا لانہ من امتنع عن قبولھا نقض عھدہ"

یعنی جزیہ کی قبولیت سے انکار کرنے پر ذمیت کا معاہدہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور واجب القتل ہے۔ چند سطر آگے مزید لکھتے ہیں کہ

" والذی عندی ان سبہ صلی اللہ علیہ وسلم و نسبتہ مالا ینبغی الی اللہ تعالی ان کان

مالا یعتقد ونہ کنسبتہ الولد الی اللہ تعالی وتقد س عن ذالک اذا اظھر بہ لقتل بہ"
یعنی حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف نامناسب باتیں منسوب کرنے والا اگر ان باتوں کا برملا اظہار کریگا تو اسکا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ اور واجب القتل ہو گا۔ مذکورہ بالا عبارت ذمیوں کے لئے دو شرائط بیان کرتی ہے۔

ایک یہ کہ ذمیت قبول کرے اگر کوئی ذمیت قبول نہیں کرے گا تو اس کو واجب القتل سمجھا جائے گا۔ قادیانی اپنے آپ کو ذمی نہیں سمجھتے اور نہ قبول کرتے ہیں بلکہ وہ آئین کے ایسے فقروں جس سے ان کا غیر مسلم ہونا ثابت ہوتا ہے انکار کرتے ہیں بلکہ طعن تشنیع کرتے ہیں اور طنز کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور اللہ تعالیٰ کے حق میں نامناسب باتیں نہ کہے۔ اگر کسی ذمی نے ایسا کیا تو اس کا معاہدہ ختم ہوجائے گا۔ اور واجب القتل ہوگا۔ قادیانی بھی اللہ تعالی کے بارے میں نامناسب باتیں لکھتے ہیں مرزا کے خاص مرید قاضی یار محمد بی او ایل پلیڈر اپنے مرتبہ ٹریکٹ نمبر ۳ موسومہ اسلامی قربانی ص ۱۲ پر تحریر کرتے ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا ہے۔ سمجھنے کے لئے اشارہ کافی ہے۔

اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ اس سے زیادہ اور کوئی بے ہودہ بات ہوسکتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کی جائے اور یہ کتاب جن میں بے ہودہ باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ قادیانی جماعت کی طرف سے مسلسل چھپ رہی ہیں۔ یہ برملا اظہار ہے نتیجہ کے طور پر قادیانیوں میں ذمیت کی دونوں شرائط مفقود ہیں اور محارب اور واجب القتل ہیں۔ اسلامی مملکت میں ان کے ساتھ ذمیوں والا سلوک کرنا از روئے شرع ناجائز ہے۔

دفاعی بحث مرتد کی سزا قتل ہے۔ یہ قرآن اور حدیث کا قطعی فیصلہ ہے۔ لیکن کچھ جدت پسند لوگ دل سے اس کے قائل نہیں ہیں۔ یوں ملحدین اور اباحیت پسند لوگوں کے مسلسل پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر دین کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں اور اولیٰ حیثیت ان کے یہاں دنیا کی ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ دین کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا مذہبی جنون ہے لیکن یہ لوگ انسانی دنیا میں اپنی مصنوعی لکیریں (بین الاقوامی سرحدیں) کھینچ کر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنتے ہیں۔ لکیر سے اس طرف کا انسان اپنے ہی ہم جنس انسان کو بسا اوقات ہم مذہب اور ہم نسل انسان کو تباہ کرنے کے لئے کروڑوں اربوں روپے کے منصوبے بناتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی جانیں تلف ہو چکی ہیں اور مسلسل تلف ہو رہی ہیں یہ روشن خیالی ہے۔

لیکن دین کے حکم کے مطابق کسی مرتد کو قتل کرنا تاریک خیالی اور جنون ہے۔ تف ہے اس روشن خیالی پر انسانی دنیا کو مصنوعی خطوں میں تقسیم کرکے ہر خطہ کے ساتھ وفاداری فرض عین سے بڑھ کر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ خطے نہ خدا کے بنائے ہوئے ہیں نہ رسول کے لیکن اتنے اہم قرار دیئے گئے ہیں کہ اگر کسی کی وفاداری مشکوک ہوجائے تو دنیا کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق ہر جگہ واجب القتل ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص خدا کی بتائی ہوئی حدود کی خلاف ورزی کرے بلکہ بغاوت کرے اور مرتد ہوجائے تو خدا اور رسول کی وفاداری سے بغاوت (ارتداد)

پر اسے قتل کرنے کی سزا دینا ملائیت ہے

برین عقل و ہمت بباید گریست

دنیا کے بنائے ہوئے جعلی نظریوں کی وفاداری جان سے اہم ہے مثلاً روس میں رہنے والا اگر کمیونزم سے منحرف ہوجائے تو واجب القتل ہونا قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ روس میں کروڑوں جانوں کو باغی قرار دے کر تلف کیا گیا ہے۔ اور چین میں سوشلزم کے خلاف عقیدہ رکھنے والا گردن زدنی ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی جاہ و جلال کا مالک ہو جیسے ماضی قریب میں چار کے ٹولہ کا حشر ہوا کیا خدا کے نازل کردہ نظریے کی اتنی بھی اہمیت نہیں کہ اس سے منحرف ہونے والے کو خالق حقیقی کے حکم پر کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

نظریاتی مملکت میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک دھرتی دوسرا نظریہ ان دونوں میں نظریہ دھرتی سے زیادہ اہم ہے کیونکہ نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دھرتی حاصل کی جاتی ہے۔ جیسے اسلام کو عملاً نافذ کرنے کے لئے مملکت پاکستان حاصل کی گئی اور دھرتی کے غدار کو آئین پاکستان کی رو سے واجب القتل قرار دیا جاتا ہے۔ اور اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔ تو نظریہ کا غدار یعنی مرتد تو بطریق اولی واجب القتل ہے۔

اگر دھرتی کے غدار کو قتل کرنے سے حقوق انسانی متاثر نہیں ہوتے تو نظریہ کے غدار کو قتل کرنے سے حقوق انسانی پر کیوں زد پڑتی ہے۔

مرتد کی سزا پر عام طور پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اتنے سارے مرتدوں کو قتل کرنا عملاً محال نہ ہو تو بھی مشکل ضرور ہے۔ اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ قادیانی اتنے بہادر نہیں ہیں کہ مرتد کی سزا کے عملی نفاذ کے یقین ہونے کے بعد بھی اپنے ارتداد پر مُصر رہینگے۔ اور حوصلہ کے ساتھ مرتد کی سزا قبول کرینگے۔ موت کی سزا تو بڑی بات ہے صرف ۱۹۸۷ کے آرڈیننس کی خلاف ورزی کی شکایت پر جسکی سزا زیادہ سے زیادہ تین سال قید ہوسکتی ہے۔ اسکے ڈر سے انکا پیشوا مرزا طاہر ایسا بھاگا کہ لندن جا کر اپنے آقاؤں کے یہاں جا کر دم لیا۔

اگر آج مرتد کی سزا کا سنجیدگی سے اعلان ہوجائے تو کچھ سچے مسلمان بن جائیں گے۔ کچھ بھاگ جائیں گے۔ اور کچھ منافق بن جائیں گے۔ لیکن منافق کی نسل نہیں چلتی ہے جیسے عبداللہ بن ابیّ رئیس المنافقین تھا لیکن اسکا بیٹا عبداللہ حضور اکرم ﷺ کا سچا صحابی تھا۔ اس طرح منافقوں کی اولاد بھی سچے مسلمان بن جائیں گے۔ اور یہ امت مسلمہ کا پرانا ناسور ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا۔

(۲) سیدنا معاویہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی (قیمت -/200 روپے)

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

فون 511961

علامہ محمد عبداللہ
(احمد پور شرقیہ)

بارگاہِ رسالت ﷺ کے سفیر

سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ

حسن صورت میں لاثانی، چال ڈھال میں سراپا وقار و تمکنت، گفتگو میں نہایت سنجیدہ اور معقول، معاملہ فہم اور موقعہ شناس، یہ ہیں ہمارے ممدوح حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ۔ آپ قبیلۂ بنو کلب کے رکن رکین تھے۔ تجارت پیشہ تھے۔ دنیوی مال متاع سے تو حظِّ وافر ملا ہی تھا۔ کلمۂ شہادت پڑھ کر اخروی دولت بھی سمیٹ لی۔ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکا کہ کب مشرف باسلام ہوئے تھے۔ البتہ احد اور بعد کے تمام غزوات میں ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ دیگر فضائل اور مآثر کے علاوہ ان کی ایک امتیازی منقبت یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب انسانی شکل میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں آتے تو اکثر و بیشتر حضرت دحیہؓ کی شکل میں آتے۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ کو قریش مکہ کی طرف سے اطمینان میسر آیا۔ اب آپ نے گردو نواح کے ملوک و سلاطین کو تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں پروگرام مرتب فرمایا۔ پہلی قسط میں آپ نے چھ سفارتیں روانہ فرمائیں۔ حضرت دحیہ کلبیؓ کو شاہ روم کی طرف روانہ فرمایا۔ علامہ ابن قیم اپنی نامور کتاب "زادالمعاد" میں صحیح ابن حبان اور ابو حاتم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ نے قیصر روم کے پاس اپنا نامۂ گرامی کسی کو دے کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ارشاد فرمایا:

من ینطلق بصحیفتی ھذہ الی قیصر ولہ الجنۃ؟ (زادالمعاد ص ۶۱ / ج ۱) کون، میرا یہ خط قیصر (شاہ روم کا لقب ہے) کے پاس لے جا کر بہشت کا حق دار بنتا ہے۔

اس پر ایک آدمی نے اٹھ کر سوال کیا کہ خواہ وہ اسلام قبول کرے، خواہ نہ، دونوں صورتوں میں خط کا لے جانے والا بہشت کا مستحق ہوگا؟ جواب میں فرمایا ہاں۔ چنانچہ یہ سعادت حضرت دحیہ کلبی کے حصے میں آئی۔

ہم اس سفارت کا حال کچھ تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں شاید کچھ دلچسپ گوشے طالب علموں کے سامنے آجائیں۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم اس سوال کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے خصوصیت سے قیصر کے پاس جانے والے سفیر کو جنت کی بشارت کا مستحق کیوں قرار دیا؟ اس کے لئے قارئین کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اس وقت بین الاقوامی سطح پر رومی سلطنت (ROMAN EMPIRE) کی کیا حیثیت تھی۔

رومی سلطنت:

زمانہ قبل از اسلام میں دنیا میں دو عظیم سلطنتیں شمار ہوتی تھیں۔ روم اور ایران بعینہ اس طرح جیسا کہ کچھ عرصہ پہلے امریکہ اور روس کی حیثیت تھی۔ رومی، دین مسیحی کے پیروکار اور اہل کتاب تھے جبکہ ایرانی آتش پرست اور مشرک تھے۔ ان دونوں میں باہمی آویزش اور جنگ و جدال کا معاملہ بھی رہتا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد ۶۱۴ء میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایرانی فوجیں، مار دھاڑ کرتی ہوئی، رومی علمداری میں دور تک چلی گئیں۔ بہت سے علاقے رومیوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ یہاں تک کہ ان کا دارالسلطنت تک خطرے میں پڑ گیا۔ ایرانیوں کی ان فتوحات

سے مشرکین کو بڑی خوشی ہوتی اور طبعی طور پر مسلمانوں کو اہل کتاب رومیوں کی شکست سے دکھ ہوتا۔ اب مشرکین نے مسلمانوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم بھی اس طرح تمہارا صفایا کردیں گے۔ جس طرح کہ ایرانیوں نے رومیوں کا کردیا ہے۔اتنے میں قرآن مجید کی سورۂ روم نازل ہوئی جس کے آغاز ہی میں بڑے دھڑلے سے یہ پیشین گوئی موجود ہے۔ کہ آج اگرچہ رومی مغلوب ہوگئے ہیں۔ مگر چند سالوں کے اندر تاریخ اپنا ورق الٹے گی۔ رومی پھر سے فتح یاب ہوں گے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے نزول پر سیدنا صدیق اکبرؓ نے مشرکین سے سو اونٹ کی شرط بھی باندھ لی۔ جو انہوں نے جیت لی۔ شرعاً شرط باندھنا جائز نہیں ہے۔ یہ اونٹ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر غریبوں میں بانٹ دیئے گئے۔

قیصر روم نے منت مانی تھی کہ اللہ رب العزت نے مجھے فتح دی۔ تو میں پیدل چل کر بیت المقدس کی زیارت کو جاؤں گا۔ چنانچہ اب وقت آگیا کہ قرآنی پیشین گوئی کی صداقت ظہور میں آئے۔ قیصر نے تیار ہو کر چڑھائی کی اور نہ صرف اپنے مقبوضہ علاقے ایران سے واپس لے لئے بلکہ فتح مبین اس کے حصے میں آئی۔ جس روز معرکہ بدر میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔ اسی روز رومیوں کے ہاں فتح مندی کے شادیانے بجے۔

اس کے بعد رومی سلطنت ،دنیا کی سب سے بڑی طاقت (SUPERMOST POWER) بن گئی۔ اس کی حدود ادھر مشرق میں روس تک اور ادھر مغرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ واحد حکومت تھی جو پرانی دنیا کے تین براعظموں (ایشیاء،افریقہ اور یورپ) میں پنجے گاڑے ہوئے تھی۔ اس کے ٹھاٹھ باٹھ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ جب قیصر روم اپنی منت پوری کرنے کے لئے روانہ ہوا تو پورے راستے میں اس کے لئے قیمتی مخملیں فرش بچھائے جاتے تھے۔اور فرش پر پھول نچھاور کیئے جاتے۔ قیصر جب دربار لگاتا تو سر پر وہ سنہری تاج پہن کر بیٹھتا۔ جس میں انمول ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ دربار میں جو بھی حاضر ہوتا، اسے تخت کے سامنے سجدہ کرنا لازمی تھا۔

اب اندازہ لگائیے کہ صحرائے عرب کا ایک باشندہ یتیمی میں پل کر جوان ہونے والے نبی امی کا ایک خط لے کر اتنے عظیم الشان دربار میں داخل ہوتا ہے، پھر نہ تو قاصد کوئی سازوسامان سے آراستہ ہے، نہ اس کا بھیجنے والا کسی طمطراق کا مالک، نہ ہدایا اور تحائف کا کوئی سہارا، نہ دربار میں سر جھکا کر داخل ہونے کو تیار، گویا آداب شاہی سے یکسر بے بہرہ اور لاتعلق، پھر وہ نہ تو کوئی قصیدہ خواں کاسہ لیس شاعر ہے۔ نہ دامن پھیلا کر سوالی، الٹا وہ تبدیلی مذہب کی دعوت لے کر آیا ہے۔طرفہ یہ کہ وہ نامۂ اقدس پیش کرنے والا ہے،اس میں نہ کوئی منت سماجت، نہ شاہی آداب کی کوئی رورعایت، بلکہ ترغیب کے ساتھ ترہیب پر مشتمل، تو اب سوچیئے کہ وہ شاہی دربار جہاں بڑے بڑے سفراء ممالک کا پتہ پانی ہوجاتا ہو،وہاں ایک صحرا نشین اس طرح بے سلیقہ اور تمام آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جادھمکے، کتنی بڑی جرأت کی بات ہوگی۔اور "نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد" کے مصداق کیسے سنگین نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس فریضہ کو انجام دینے والے کے حق میں زبان نبوت سے "ولہ الجنۃ" کی بشارت نکلی۔اور غالباً اسی لئے قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملے کرنے والے پہلے اسلامی لشکر کے لئے بھی "اول جیش یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم" کی خوشخبری سنائی گئی۔

حدیث ہرقل:

آمدیم بر سر مطلب۔ پیش نظر سفارت والی روایت محدثین کی زبان میں حدیث ہرقل کے عنوان سے مشہور ہے۔ ہرقل شاہ روم کا ذاتی نام ہے اور قیصر اس کا شاہی لقب، یہ روایت صحیح بخاری میں گیارہ مقامات پر آئی ہے۔ دو جگہ تفصیل سے اور باقی مقامات پر موقعہ محل کی مناسبت سے جزوی طور پر، ہم یہ روایت زیادہ تر بخاری شریف اور اس کی شرح فتح الباری کو سامنے رکھ کر بیان کریں گے۔

شام، اس زمانے میں رومی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ اس علاقے میں عرب بڑی تعداد میں آباد تھے۔ شام کا فرماں روا "غسان" کہلاتا تھا اور اس وقت جو غسان حکومت کررہا تھا۔ اس کا نام حارث تھا۔ وہ گویا قیصر کے ماتحت بطور گورنر کام کررہا تھا۔ صوبائی دارالحکومت بصریٰ کا شہر تھا۔ حضرت دحیہؓ کی روانگی ۶ ھ کے اخیر میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی تھی کہ وہ خط حاکم بصری کے توسط سے قیصر تک پہنچایا جائے۔

عجب اتفاق، کہ ان دنوں یہ گورنر، بصریٰ کے بجائے حمص میں مقیم تھا تاکہ بادشاہ کی منت کے سلسلہ میں اس کے پیدل سفر کے انتظامات کرسکے۔ حضرت دحیہ وہیں حمص جا کر اس سے ملے اور نامۂ اقدس اس کے حوالے کیا۔ ادھر قیصر منازل طے کرتا ہوا بیت المقدس پہنچ گیا۔

ابن ناطور، قیصر کی طرف سے بیت المقدس پر تعینات تھا۔ اس کا بیان ہے کہ بیت المقدس میں قیام کے دوران، ہرقل ایک دن صبح کو اٹھا تو اس کا مزاج کافی بگڑا ہوا تھا۔ کسی سردار نے اس سے پوچھ لیا۔ حضور! آج خیریت تو ہے؟۔ ہرقل فن نجوم سے تعلق رکھتا تھا۔ بولا کہ آج رات میں نے ستاروں کی طرف دیکھا، تو مجھے معلوم ہوا کہ ختنہ کرانے والی قوم کا سردار نمودار ہوچکا ہے۔ یہ بتاؤ کہ کون لوگ ختنہ کرایا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا: حضور والا، یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ یہودی ختنہ کرایا کرتے ہیں۔ آپ اپنے ماتحت گورنروں کو گشتی حکم جاری فرمادیں کہ وہ یہودیوں کو چن چن کر مروادیں۔ ابھی سوچ بچار ہورہی تھی کہ ایک آدمی، جس کو شامی گورنر نے بھیجا تھا۔ قیصر کے پیش تھا وہ عربی تھا اور رسول اللہ ﷺ کے حالات سناتا تھا۔ حافظ ابن حجر شارح بخاری فرماتے ہیں کہ شاید یہ حاتم طائی کے بیٹے عدی ہوں، جو اس وقت دین نصاریٰ پر تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں حضرت دحیہ کے پیچھے ان کی امداد اور تائید کے لئے روانہ فرمادیا تھا۔ عرب کے باشندہ ہونے کے وجہ سے عربوں کے دستور کے مطابق وہاں کے نصرانی بھی ختنہ کراتے تھے۔ ہرقل نے اپنے ملازموں کو کو حکم دیا کہ اس عربی کو لے جاکر دیکھو کیا یہ ختنہ شدہ ہے۔ انہوں نے اسے دیکھ کر واپسی ہرقل کو مطلع کیا کہ واقعی یہ شخص ختنہ شدہ ہے۔ پھر قیصر نے عدی سے مزید حالات دریافت کیے۔ یہ بھی پوچھا کہ کیا عرب میں ختنہ کا عام رواج ہے۔ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو ہرقل نے کہا بس پھر یہی عرب کا بادشاہ ہے جس کا ظہور ہوچکا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵)

نامۂ گرامی کا قیصر تک پہنچنا:

شامی گورنر، جو حمص میں مقیم تھا، نے حضرت دحیہ کو نامۂ گرامی کے ہمراہ بیت المقدس روانہ کر دیا۔ درباریوں نے حضرت دحیہؓ سے کہا کہ دربار میں داخل ہو کر تخت کے سامنے سجدہ کرنا، مگر انہوں نے فرمایا کہ مسلمان کا سر، ایک اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھک سکتا۔

بہر کیف، دربار رسالت کے سفیر، قیصر کے دربار میں پہنچ گئے۔ نامۂ اقدس پیش کیا گیا قیصر کا ایک بھتیجا، جو سرخ رنگ کا اور نیلی آنکھوں والا تھا، دربار میں موجود تھا۔ وہ بولا، یہ خط نہ پڑھا جائے، ان لوگوں کو تو خط

سے کا سلیقہ بھی نہیں ہے کہ اپنے نام سے شروع کیا ہے۔ لکھا ہے من محمد عبداللہ و رسولہ مگر ہرقل نے اس اعتراض کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آگے چلے تو بھتیجے نے پھر اعتراض کیا کہ اس میں ملک الروم نہیں لکھا، مگر ہرقل نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ عظیم الروم تو لکھا ہے بات تو ایک ہی ہے ہرقل نے سرسری طور پر خط کو پڑھ کر کہا، "ھذا کتاب لم اسمع مثلہ" اس جیسا خط میں نے نہیں سنا، اب قیصر نے کہا کہ دیکھو، کوئی عرب اس علاقے میں آئے ہوئے ہوں تو انہیں بلالاؤ۔ بادشاہ نے پولیس افسر کو حکم دیا کہ شام کی سرزمین کو چھان مارو اور کہیں سے عربوں کو ڈھونڈ لاؤ میں ان سے کچھ دریافت کروں گا۔

قیصر کی تفتیش حال:

اتفاق سے ان دنوں حضرت ابوسفیان، جب کہ ابھی وہ مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ تجارتی قافلہ لے کر شام گئے ہوئے تھے اور غزہ میں مقیم تھے۔ انہیں قیصر کے دربار میں لے جایا گیا۔ دربار کو بڑی شان شوکت سے سجایا گیا تھا۔ تخت شاہی کے ارگرد حاشیہ نشین امراء بڑے بڑے پادری اور نصرانی عالم بیٹھے تھے۔ ترجمان کے واسطے سے گفتگو کا آغاز ہوا۔ قیصر نے عرب تاجروں سے پہلا سوال یہ کیا کہ تم میں جو مدعی نبوت اٹھا ہے تم میں سے اس کا قریب ترین عزیز کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں۔ قیصر نے کہا ان کو میرے نزدیک لے آؤ اور ان کے پیچھے ان کے ساتھیوں کو بٹھا دو پھر ان ساتھیوں سے کہا کہ اگر یہ شخص (ابوسفیان) کوئی جھوٹ بولے، تو تم فوراً اسے ٹوک دینا۔ اب قیصر اور ابوسفیان کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی:

قیصر: ابھی قیصر نے کوئی سوال نہیں کیا تھا کہ ابوسفیان بولے: وہ شخص تو جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے مگر قیصر نے ٹوک دیا اور کہا کہ میں نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا تھا کہ یہاں بیٹھ کر اسے گالیاں دو۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ ایک بڑے اونچے خاندان کا فرد ہے۔

قیصر: کیا اس سے پہلے بھی تم میں کسی نے کبھی کوئی ایسا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر: کیا اس کے آباؤاجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔

ابوسفیان: نہیں

قیصر: اچھا یہ بتاؤ کہ بڑے لوگ اس کے پیروکار بنے ہیں یا کمزور سے؟

ابوسفیان: کمزور اور نچلے درجے کے لوگ۔

قیصر: اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔

ابوسفیان: بڑھتے جا رہے ہیں۔

قیصر: کیا ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی شخص اس کے دین کو ناپسند کرتے ہوئے پھر جائے؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر: کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تم اسے جھوٹا سمجھتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر: کیا وہ دھوکہ بازی اور بدعہدی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔ البتہ آج کل ہمارا اس سے ایک معاہدہ ہے اس کا پتہ نہیں کہ اس میں کیا کرتا ہے۔
ابوسفیان کہتے ہیں دوران گفتگو میں اور تو کوئی آمیزش نہیں کر سکا۔ صرف یہی ایک جملہ بڑھا دیا تھا۔
قیصر: کیا اس سے تمہیں کبھی جنگ کی نوبت آئی؟

ابوسفیان: ہاں
قیصر: تو پھر نتیجہ کیا رہا؟
ابوسفیان: کبھی وہ فتح یاب ہوتا ہے کبھی ہم
قیصر: اس کی تعلیمات کیا ہیں؟
ابوسفیان: وہ کہتا ہے: ایک اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے تھے سب چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاک دامنی اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتا ہے۔

اب سوال جواب کا سلسلہ ختم ہو گیا اور قیصر نے ترجمان سے کہا کہ تم اس سے کہہ دو کہ میں نے پہلا سوال اس کے نسب کے بارے میں کیا تو نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا ہے واقعی پیغمبر اونچے خاندانوں میں سے آتے ہیں۔

(ب) میں نے پوچھا کہ کیا پہلے بھی کسی نے ایسا دعویٰ تم میں کیا تھا۔ تم نے جواب نفی میں دیا۔ میں نے سوچا کہ اگر پہلے کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہوتا، تو خیال ہو سکتا تھا کہ یہ اس کی تقلید میں ایسا دعویٰ کر رہا ہے۔

(ج) میں پوچھا کہ اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔ تم نے اس کا بھی انکار کیا اور نہ تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے باپ کی حکومت واپس لینا چاہتا ہے۔

(د) میں نے پوچھا، دعویٰ نبوت سے پہلے تم اسے جھوٹا تو نہیں سمجھتے تھے۔ تم نے اس کا انکار کیا تو میں یہ سمجھا کہ جو شخص بندوں کے معاملہ میں جھوٹ نہیں بول سکتا، وہ اللہ کے حق میں کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔

(ہ) میرے پوچھنے پر تم نے یہ بتایا کہ کمزور لوگ اس کے پیروکار بن رہے ہیں۔ واقعی انبیاء کے پیروکار یہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ مالدار اور بااثر لوگ گھمنڈ میں رہتے ہیں۔

(و) میرے سوال پر تم نے بتایا کہ اس کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں۔ درست ہے۔ ایمان والے بڑھتے ہی رہتے ہیں۔

(ز) میرے پوچھنے پر تم نے بتایا کہ ایمان لے آنے کے بعد کوئی پیچھے نہیں ہٹ جاتا۔ واقعی جب ایمان دل میں رچ بس جاتا ہے تو پھر رگ و ریشہ میں گھر کر لاتا ہے۔

(ح) تم نے یہ بھی بتایا کہ وہ کوئی بدعہدی نہیں کرتا۔ بالکل صحیح ہے۔ انبیاء ہمیشہ بات کے سچے اور وعدے کے پکے ہوتے ہیں۔

(ط) تم نے یہ بتایا کہ میدان جنگ میں کبھی وہ فتح یاب ہوتا ہے اور کبھی تم۔ درست ہے۔ انبیاء کو کبھی کبھی امتحان اور آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ مگر انجام کار کامیاب وہی ہوتے ہیں۔

(ی) میں نے پوچھا، وہ کیا تعلیم دیتے ہیں۔ تو تم نے جو باتیں گنوائی ہیں۔ واقعی پیغمبر یہی سکھاتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک پیغمبر کا ظہور ہونے والا ہے۔ مگر میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے آئے گا۔ اب جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اگر یہ سچ ہے تو عنقریب میں یہ جگہ جہاں میرے پاؤں ہیں اس کے قبضے میں آ جائے گی۔ اگر مجھے یہ توقع ہوتی کہ میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گا تو میں اس سے ملنے کی کوشش کرتا اور مل کر میں اس کے پاؤں دھوتا۔

درباریوں کا رویہ:

اس کے بعد قیصر نے نامۂ اقدس منگوایا جو پڑھ کر سنایا گیا۔ اہل درباریوں تو ابوسفیان سے قیصر کی گفتگو سن کر ہی برافروختہ ہو رہے تھے۔ اب خط کا مضمون سنا تو بے حد برہم ہوئے۔ دربار میں شور و شغب شروع ہو گیا۔ جس کے بعد قیصر نے ابوسفیان اور اس کے رفقاء کو باہر بھیج دیا۔ ملاقات کی یہ تفصیل صحیح بخاری جلد اول ص ۴ اور ص ۴۱۲ سے لی گئی ہے۔

سیرت حلبیہ میں اتنا اضافہ ہے کہ جب ابوسفیان نے یہ محسوس کیا کہ قیصر روم کا دل اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ تو کہا کہ جناب والا! اس شخص کی کیا پوچھتے ہیں وہ تو ایسی ایسی باتیں بیان کرتا ہے جو عقل کے خلاف ہوتی ہیں۔ جب وہ مکہ میں رہتا تھا تو ایک دن اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ رات مجھے مسجد حرام سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں کے اوپر تک لے جایا گیا...... قیصر نے ابھی کوئی رائے نہیں دی کہ بیت المقدس کا متولی ابن ناطور عرض گزار ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک بات تو ہمارے ساتھ گزری ہے کہ وہ یہ کہ رات کو میں ہمیشہ ہیکل مقدس کے دروازے بند کرادیا کرتا ہوں۔ مگر ایک رات ایسا ہوا کہ میں دروازے بند کرانے لگا تو ایک دروازہ ہماری سر توڑ کوشش کے باوجود ہم لوگوں سے بند نہ ہو سکا۔ ہم اسے کھلا چھوڑ دیا۔ صبح آ کر ہم نے عجیب بات دیکھی کہ دروازے کے پاس کسی جانور کے پاؤں کے نشانات ہیں اور قریب کے پتھر سے ایسا لگتا تھا کہ اس کے ساتھ کسی جانور کو باندھا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی رات کا واقعہ ہے جس کا ذکر ابوسفیان کر رہا ہے۔ ابوسفیان کی یہ تدبیر بھی الٹی گئی۔

بہر کیف، جب ابوسفیان دربار سے باہر آئے تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے عجیب بات ہے ابو کبشہ کے بیٹے (حضور ﷺ مراد ہیں) کا معاملہ بہت اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ دیکھو تو سہی، آج دنیا کا سب سے بڑا فرماں روا، روم کا بادشاہ بھی اس سے ڈر رہا ہے۔ (بخاری شریف) ہرقل کا تبصرہ سن کر ابوسفیان نے رائے ظاہر کی کہ میں نے اس سے زیادہ کوئی ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی کبھی نہیں دیکھا (فتح الباری ج ۱/۳۵)

قیصر کی تائید مزید:

رومیہ، رومی مملکت کا ایک شہر ہے وہاں کا جو حاکم تھا وہ بڑا صاحب علم تھا۔ اور اسے حکومتی منصب کے ساتھ دینی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ فتح الباری میں اس کا نام صنغاطر لکھا ہے۔ بیت المقدس کے دربار کے بعد قیصر نے سیدنا دحیہؓ کو صنغاطر کے نام ایک خط دے کر رومیہ روانہ کیا اور تاکید کی کہ اس کا جواب لے کر میرے پاس آنا۔ قیصر کا مقصد صنغاطر کی رائے معلوم کرنا تھا۔ دحیہؓ وہاں پہنچے اور اس سے ملے۔ اس نے حالات سن کر کہا واقعی، تمہارے بھیجنے والے نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی کے بارے میں بشارت دی تھی۔ پھر صنغاطر نے کپڑے تبدیل کیئے۔ سفید لباس پہن کر باہر آیا۔ رومیوں کے مجمع میں تقریر کی، خود کلمہ شہادت پڑھا اور انہیں بھی اسلام کی دعوت دی۔ مگر رومی بگڑ گئے۔ یہاں تک کہ مار مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ حضرت دحیہؓ اس کا جواب لے کر قیصر کے پاس واپس آ گئے۔ وہ حمص کے شہر میں مقیم تھا۔ اس نے مفصل حال سنا تو حضرت دحیہؓ سے کہا دیکھ لیا تم نے، سمجھتا میں بھی ہوں واقعی تمہارے بھیجنے والے نبی ہیں۔ لیکن کیا کروں اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے اور حکومت تو جاتی ہی رہے گی۔

اس کے بعد قیصر نے حمص ہی میں اپنے درباری امراء کو ایک محل کے اندر بلایا۔ محل کے دروازے بند

کر دیئے۔ اور یوں امرائے سلطنت سے مخاطب ہوا۔

اگر تم کامیابی اور ہدایت چاہتے ہو اور تم چاہتے ہو کہ تمہاری سلطنت برقرار رہے تو اس نبی کی پیروی کرلو۔ اب وہ درباری وحشی جانوروں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے۔ ایک طوفان بدتمیزی برپا کردیا۔ آگے سے دروازے بند تھے۔ جب ہرقل نے یہ صورت حال دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہوا تو (ملازموں سے) کہا کہ انہیں واپس بلاؤ اور پھر بات کارخ بدلا۔ کہا، میں نے تو تمہیں آزمانا چاہا تھا کہ تم کس حد تک اپنے دین پر پختہ ہو۔ تو میں نے دیکھ لیا ہے۔ یوں حب جاہ۔ ہرقل کے لئے ایمان لانے سے حائل ہوئی اور وہ متاع آخرت سے محروم رہ گیا۔ (بخاری فتح الباری)

آنحضرت کے دو وزیروں کا ذکر:

حافظ ابن الجوزی (۱) چھٹی صدی ہجری میں ایک نامور محدث گزرے ہیں۔ وہ روایات قبول کرنے میں بڑے متشدد اور سخت مزاج ہوئے ہیں۔ بعض اوقات اچھی بھلی صحیح روایات کو موضوع قرار دے دیتے ہیں۔ ایسے محدث کا کسی روایت کو نقل کرنا بجائے خود اس روایت کی صحت کی دلیل ہے۔ درج ذیل روایت ہم ان کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں۔ حضرت دحیہؓ فرماتے ہیں کہ جب قیصر نے اپنے امراء کی روش دیکھی تو اگلے روز خفیہ پیغام بھیج کر مجھے بلایا۔ میں گیا تو مجھے ایک عظیم الشان محل میں لے گیا۔ اس میں حضرات انبیاء مرسلین علیہم السلام کی تین سو تیرہ تصاویر رکھی ہوئی تھیں۔ مجھ سے کہا کہ دیکھو تمہیں اپنے پیغمبر کی کون سی تصویر نظر آتی ہے۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی تصویر دیکھی تو کہا یہ ہے اس نے میری تصدیق کی۔ پھر کہا کہ ان کے دائیں بائیں کس کی تصویریں ہیں۔ میں نے بتایا کہ یہ آپ کی قوم کے آدمی ہیں۔ دائیں طرف والے کا نام ابوبکر ہے۔ اور بائیں طرف والے کا عمر۔ اس نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ تمہارے نبی کے ان دو ساتھیوں کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہوگی۔ (آگے حضرت دحیہ کا بیان ہے) جب میں واپس آیا اور آنحضرت ﷺ کو بتایا تو حضور نے ارشاد فرمایا: اس نے سچ کہا اللہ تعالی ان دونوں کے ذریعے اشاعت اسلام کے کام کو مکمل فرمائیں گے۔ اور ان کے ہاتھوں پر فتوحات ہوں گی۔ (تاریخ عمر بن الخطاب ص ۷۴)

قیصر کا سرزمین شام کو الوداعی سلام:

بعض سیرت نگار نقل کرتے ہیں کہ قیصر نے امراء سلطنت سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم اس نبی عربی پر ایمان لے آؤ گے تو مجھے یقین ہے کہ آدھا علاقہ شام کا اور پورا روم تمہارے پاس رہ جائے گا۔ ورنہ تو مجھے اندیشہ ہے کہ شام، سارا کا سارا اور آدھا روم تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ان لوگوں نے اس بات پر کان نہ دھرا۔ مگر قیصر دل میں سب کچھ سمجھ چکا تھا۔ چنانچہ جب وہ بیت المقدس کے سفر سے واپس اپنے دارالحکومت قسطنطنیہ جانے لگا تو اس نے شام کی سڑک پر کھڑے ہو کر شام کی طرف رخ کر لیا اور کہا کہ

حاشیہ (۱) اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کے لئے اس کے بندے کیا کیا بہانے ڈھونڈتے ہیں ابن الجوزی نے کم و بیش اڑھائی سو تصانیف چھوڑی ہیں۔ اور دو ہزار کتابیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے نقل کیں۔ جن قلموں سے وہ لکھتے تھے ان کے تراشے وہ جمع کرتے رہے۔ حتی کہ ایک صندوق ان سے بھر گیا۔ آخری وقت میں وصیت فرمائی کہ ان تراشوں کو جلا کر میرے غسل کا پانی گرم کیا جائے شاید یہ میری نجات کا سبب بن جائیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ حافظ وغیرہ)

السلام علیک یا ارض سوریۃ تسلیم المودع اے سرزمین شام تجھے الوداعی سلام (فتح الباری ج ۱/۴۴)
بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس نے درباریوں کے سامنے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ صحیح تھا۔ عہد صدیقی میں شام کی طرف فتوحات اسلامی کا سلسلہ شروع ہوا اور سیدنا فاروق اعظم کے عہد میں پورا شام، مصر اور رومی سلطنت کا کافی علاقہ۔ اسلامی قلمرو میں شامل ہو چکا تھا۔ خاص قسطنطنیہ کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کا آغاز سیدنا معاویہ کے دور میں ہو چکا تھا۔ میزبان رسول سیدنا ابو ایوب انصاری کی وفات اسی سفر جہاد میں ہوئی ان کی قبر قسطنطنیہ کی فصیل کے سائے میں ہوئی۔ اور عجیب بات ہے کہ نصاری اس سے برکتیں حاصل کرتے رہے۔ قسطنطنیہ کا موجودہ نام استنبول ہے جو ترکی کا بڑا شہر ہے۔

نامہ گرامی کا متن اور اس کا ترجمہ:

نامہ گرامی جو آج کی صحبت میں ہمارا موضوع سخن ہے اس کا متن اور ترجمہ درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد عبداللہ ورسولہ الی ہرقل عظیم الروم ۔سلام علی من اتبع الھدیٰ امابعد فانی ادعوک بدعایۃ الالسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان لولیت فعلیک اثم الایسیین۔ یا اہل الکتب تعالو الی کلمۃ سوآء بیننا و بینکم الا نعبد الااللہ ولا نشرک بہ شیأ ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولو فقولو اشھدو بانا مسلمون

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے، روم کے صدر، ہرقل کے نام
اس پر سلام، جو ہدایت (راہ مستقیم) کا پیروکار ہو۔ اس کے بعد، میں تجھے کلمہ اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تو اسلام لے آ، بچ جائے گا۔ اللہ تعالی تجھے دہرا ثواب دے گا، اگر تو نے منہ پھیر لیا تو تمام رعایا کا گناہ تجھ پر ہو گا۔
اے اہل کتاب تم ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تم میں برابر (شریک) ہے کہ ہم اللہ کے سوا کے کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی غیر کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ بنالے۔ اگر وہ نہیں مانتے تو تم ان سے کہہ دو کہ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو اسلام لاچکے ہیں۔
(صحیح بخاری ص ۵)

اس مکتوب اقدس کا نصف اخیر ایک قرآنی آیت پر مشتمل ہے۔ جو سورۃ آل عمران کی آیت ۶۴ سے لی گئی ہے ۔ یہ پوری سورۃ نصاریٰ کو دعوت اسلام کے مضامین پر حاوی ہے۔ امام فخر الدین رازی اور دیگر مفسرین نے بڑے بڑے نکات بیان کیئے ہیں۔ یہاں تفصیل کی تو گنجائش نہیں ہے ۔البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ آیت کریمہ میں "سوآء" کا لفظ یہ بتارہا ہے کہ توحید اور شرک کی نفی تمام ادیان سماویہ کا بنیادی عنصر ہے۔ تمام انبیاء علیھم اسلام کلمہ توحید ہی کی دعوت دیتے چلے آئے۔ اگر کسی آسمانی دین کے پیروکاروں میں کہیں شرک کی خوبو نظر آئے تو یہ ان کا اضافہ ہو گا۔ اللہ کا نبی اور اللہ کی کتاب یقیناً اس سے بیزار ہوں گے۔ شیأ کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے ساتھ الوہیت میں کسی چیز کو بھی شریک کر لینا شرک ہے۔ خواہ وہ شجر ہو خواہ شمس و قمر ہوں یا کسی ولی یا پیغمبر کی ذات ہو۔ شرک میں مبتلا دنیا کے بارے میں کیا بتایا جائے کہ شرف انسانیت کو کہاں کہاں ذلیل اور پامال کیا گیا۔

چاند، سورج اور آگ، دودھ دینے والے جانوروں پتھر کے ٹکڑوں اور سانپ، بچھو سے لے کر مردانہ زنانہ اعضاء تناسل تک کو معبود اور مسجود بنا یا گیا۔ ایک موحد "لااحب الافلین" کا نعرہ لگا کر اپنی عبودیت اور پرستش کی تمام کڑیاں صرف ایک ذات اللہ سے وابستہ کرلیتا ہے اور پکار اٹھتا ہے

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انامن المشرکین

اتخاد ارباب کی نفی عقیدہ توحید کی تکمیل کے لئے ہے۔رجاء و بیم کا سلسلہ غیر اللہ سے جوڑ دینا، تحلیل و تحریم کے اختیارات کسی اور کو سونپ دینا۔ قانون سازی اور حاکمیت کا حق کسی اور کو دے دینا یہ بھی شرک کی مختلف صورتیں ہیں۔ جن کی تردید اس جملہ میں فرمادی گئی۔

شارح بخاری مقدمہ ابن حجر نے نامہ گرامی کی بلاغت کی طرف چند اشارات فرمائے ہیں۔اوپر خط کشیدہ جملہ "اسلم تسلم" کے بارے میں عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے لکھتے ہیں طبرانی کی ایک روایت ہے کہ قیصر نے حضرت دحیہؓ سے کہا تھا میں جانتا ہوں کہ تیرا بھیجنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے لکھا ہے لیکن میں ایمان نہیں لاسکتا۔ اگر میں ایسا کرلوں تو میری بادشاہی جاتی رہے گی اور رومی مجھے مار ڈالیں گے۔ابن اسحٰق سے بھی اس کے ہم معنے روایت منقول ہے۔ لیکن اگر ہرقل آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد بالا کو سمجھنے کی کوشش کرتا تو وہ اسلام لاکر دنیا اور آخرت کے ہر خطرہ سے محفوظ ہوجاتا، لیکن توفیق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔(فتح الباری ج ۱/ ۳۷)

حافظ ابن حجر سہیلی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہرقل نے نامہ گرامی کو تعظیماً سونے کی ایک ڈبیہ میں رکھ لیا اور نسلاً بعد نسل وہ ان میں منتقل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ اس فرنگی بادشاہ کے پاس آگیا۔ جس نے طلیطلہ (ہسپانیہ کا ایک صحت افزاء مقام ہے) پر قبضہ کرلیا تھا۔ پھر اس کے بیٹے کو ملا۔ ایک مسلمان سپہ سالار کی اس بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے وہ مکتوب شریف اسے دکھایا اسے دیکھ کر مسلمان جرنیل کے آنسو نکل آئے۔اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ اسے مکتوب کو ایک مرتبہ چوم لینے کی اجازت دے مگر وہ نہ مانا۔

آگے چل کر علامہ حجر نے سیف الدین منصوری کی زبانی نقل کیا ہے کہ مغربی علاقہ کے مسلمان بادشاہ نے مجھے فرنگی بادشاہ کے پاس کسی کام سے بھیجا۔اس نے وہ کام تو جلدی کر دیا۔ پھر مجھے مزید ٹھہرنے کو کہا۔میں نے انکار کیا تو کہا۔ آپ رہ جائیں۔ آپ کو ایک عجیب و غریب تحفہ دیا چنانچہ اس نے ایک صندوق نکالا۔ جس پر سونے کی پتریاں جڑی ہوئی تھیں۔اس میں سے ایک سنہری ڈبہ نکالا۔ پھر اس سے ایک خط نکالا جو ریشمی غلاف میں لپٹا ہوا تھا اور کہا کہ یہ تمہارے پیغمبر کا خط ہے۔ جو میرے جد اعلیٰ قیصر کے نام آیا تھا۔ ہم میں وراثتاً منتقل ہوتا چلا آیا ہے اور ہمارے بزرگوں کی وصیت ہے کہ جب تک یہ ہمارے پاس رہ جائے گا۔ حکومت ہمارے پاس رہ جائے گی۔ اس لئے ہم اس کی بہت حفاظت کرتے ہیں اور اس کی تعظیم و تکریم میں بھی کسر نہیں چھوڑتے۔

دو متضاد تصویریں:

قضا و قدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں یہ قیصر کا مقدر تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے مکتوب گرامی سے مودبانہ پیش آیا۔اس کی تعظیم و تکریم بجالایا۔ ایمان قبول نہ کرنے کے باوجود اس نیکی کا صلہ اسے اور اس کے پس ماندگان کو اس شکل میں ملا کہ صدیوں تک اس کی سلطنت .... اگرچہ اس کی حدود سکڑتی چلی گئیں۔ قائم رہی تا آنکہ ۸۵۷ھ میں سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں روم کا دارالسلطنت قسطنطنیہ فتح ہوا اور یوں آنحضرت ﷺ کی دو پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔

(الف) لتفتحن القسطنطنیہ (مسند احمد) تم ضرور قسطنطنیہ کے شہر کو فتح کرو گے۔
(ب) اذاھلک قیصر لاقیصر بعدہ جب قیصر ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا۔
اس کے برعکس
کسریٰ نے آقائے دو جہاں ﷺ کے نامہ گرامی سے نہایت بے ادبی اور گستاخی کا برتاؤ کیا۔ جب نامہ بر سیدنا عبداللہ بن حذافہؓ آنحضرت ﷺ کے ہدایت کے مطابق بحرین کے سردار کے توسط سے کسری کے دربار میں پہنچے اور اس کے سامنے نامہ گرامی پڑھا گیا۔ تو اس کی شقاوت ازلی رنگ لائی۔ اس کا نام خسرو پرویز تھا وہ مشہور عادل بادشاہ نوشیرواں کا پوتا تھا اس بدبخت نے مکتوب اقدس کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسے پرزے پرزے کر دیا۔ سیدنا عبداللہ فارس سے واپس مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہ نبوت میں حال عرض کیا تو لسان نبوت سے کسریٰ کے حق میں بددعا جملہ نکلا اللھم مزقھم کل ممزق اے اللہ! تو انہیں پارہ پارہ کردے۔
کسریٰ پرویز نے یمن جو اس وقت فارس کا ایک صوبہ تھا کے گورنر باذان فارسی کو لکھا کہ عرب کے جس مدعی نبوت نے اس طرح مجھے خط لکھا ہے تم اس کا سر قلم کرا کے میرے پاس بھیجو۔ العیاذً باللہ باذان نے کوئی سنگین اقدام کرنے سے پہلے دو قاصد دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجے۔ ان دونوں نے وہاں پہنچ کر دربار رسالت کا جو نقشہ دیکھا اس سے بڑے متاثر ہوئے۔ ابھی یہ وہیں مقیم تھے کہ ایک روز صبح کو نبی صادق المصدوق ﷺ نے انہیں بتایا کہ تمہارے بادشاہ کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔
قصہ یوں ہوا کہ شیریں نامی ایک پری زاد کسری کے حرم سرا میں بطور ملکہ داخل تھی۔ پرویز، دل و جان سے اس پر فدا تھا۔ اس کا بیٹا شیرویہ بھی شیریں کے حسن پر نقد دل لٹا چکا تھا۔ علاوہ ازیں پرویز کا بھی ارادہ تھا کہ خاندانی ملکہ سے جو بیٹا تھا اس کی بجائے شیریں کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے کو ولی عہد بنادے۔ جوش رقابت میں شیرویہ نے باپ کا قصہ پاک کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پرویز کے ساتھ اس کے سترہ بیٹے بھی مارے گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیریں نے پھر بھی شیرویہ کی طرف التفات نہ کیا بلکہ زہر کھا چل بسی۔
پرویز کو چونکہ بیٹے کے بارے میں بدگمانی تھی، اس نے بھی ایک عجیب جتن کیا کہ زہر کی ایک شیشی پر لکھ دیا "امساک کی بہترین دوا" شیرویہ نے تخت نشین ہونے کے بعد ایک روز دوا خانہ کھول کر دیکھا۔ اس شیشی پر نظر پڑی تو کام کی چیز سمجھ کر اسے استعمال کیا۔ زہر نے اپنا کام کیا۔ یوں شیرویہ بھی رخصت۔
اب امرائے سلطنت نے پرویز کی بیٹی بوران کو تخت پر بٹھادیا۔ رسول ﷺ کو اطلاع پہنچی تو ارشاد فرمایا۔ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے امور سلطنت ایک عورت کی تحویل میں دے دیئے ہوں۔ چنانچہ چند ہی روز میں بوران بھی خس کم جہاں پاک کا مصداق بنی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے فیروز دوم، بوران کی بہن آزرمید خت، سہریز پنجم، خسرو چہارم، فرخ زاد سے ہوتے ہوتے اقتدار یزد گرد کے حصے میں آیا۔ نبی صادق ﷺ کی پیشین گوئی کی تکمیل میں ابھی ایک مرحلہ باقی تھا۔ یزد گرد کے حصے میں مگر ادھر سے اسلامی افواج سیلاب کی طرح بڑھتی چلی آرہی تھیں۔ یہاں تک کہ یزد گرد کو سیدنا حضرت عثمانؓ کے زمانے میں تن تنہا اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ جنگلوں میں چھپتا پھر رہا تھا کہ ایک عورت کے ہاتھوں اس کا کام تمام ہوا اور یوں کسری کی سلطنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

صدق اللہ العلی العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم

احمد معاویہ (لاہور)

شہیدِ مہر ووفا.... مولانا پیر جی عبدالعلیم شہید

اس حسن پاکباز کی آتی ہے اب بھی یاد
نورِ سحر کے ساتھ کبھی چاندنی کے ساتھ

تحریک آزادیٔ ہند اور جہاد شاملی کے عظیم مجاہد مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفۂ مجاز حضرت حافظ محمد صالح رحمہ اللہ کے پوتے، ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی و سیاسی تحریکوں کے سرپرست، مسندِ بیعت و ارشاد کے آفتاب و ماہتاب حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت پیر جی عبداللطیف رائے پوری رحمہ اللہ کے فرزندِ دلبند، حضرت پیر جی عبدالعلیم رائے پوری جنہیں آج مرحوم کہتے اور لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے.......... نہیں معلوم تھا کہ وہ ہم سے اتنی جلدی روٹھ کر عالمِ بقا کو سدھار جائیں گے۔ اور ہمیں یوں روتا چھوڑ جائیں گے۔

ہا...... پیر جی عبدالعلیم! شگفتہ طبیعت، ہنس مکھ، ملنسار، پیکرِ محبت و خلوص، مہمان نواز، دوستوں کے دوست، دشمنوں کے شریف دشمن، چہرے پر سیاہ گھنی داڑھی، بوٹا سا قد، سفید اُجلا لباس اور سر پر ململ کا سفید رومال..... یہ مختصر سراپا ہے ان کا۔

پیر جی عبدالعلیم....... جنہوں نے ایک ایسے گھرانے میں پرورش پائی جو ہر لحاظ سے خیر و برکت سے مالامال تھا، جہاں علم، زہد و تقویٰ اور للّٰہیت کا چرچا تھا۔ جہاں بیمار روحیں آتیں اور شفاً اور ہدایت کی دولت لے کر واپس پلٹتیں۔ اسی ماحول میں بچپن گزرا، ذرا بڑے ہوئے تو شیخِ وقت اور قطبُ الاقطاب حضرت پیر جی عبدالعزیز رائے پوری کے پاس تعلیم کے لئے بٹھا دیا گیا۔ جو رشتہ میں تایا بھی لگتے تھے۔ فارسی اپنے تایا جان کے پاس ہی پڑھی۔ بعد میں تب کے عظیم مدرسہ جامعہ رشیدیہ (ساہیوال) میں بغرض تعلیم بھیج دئے گئے۔ جہاں تحریکِ ریشمی رومال کے گمنام مجاہد حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب قدس سرہ، علما، طلباء، اور عوام الناس کو اپنے علوم اور فیوض و برکات سے نوازرہے تھے۔ یہاں جن اساتذہ کی صحبت میسر رہی ان میں حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوری، حضرت حافظ محمد صدیق صاحب اور علامہ غلام رسول صاحب جیسی عظیم ہستیوں کے نام آتے ہیں۔ اسی دور میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے فرزند پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری بھی جامعہ رشیدیہ میں متعلم تھے یہ دونوں حضرات ہم درس و ہم سبق تھے یہیں سے ان دونوں میں وفاء و محبت کا وہ تعلق شروع ہوا جس کے درمیان اب موت تو حائل ہے مگر محبت ختم نہیں ہوئی۔

غالباً ۱۹۶۰ء میں جامعہ خیر المدارس ملتان میں دورۂ حدیث شریف کیا۔ فراغت کے بعد واپس چیچا وطنی اپنے والد ماجد کے ہاں چلے آئے اور مدرسہ تجوید القرآن میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مگر طبیعت

کے عدم میلان کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا۔

چیچہ وطنی میں مجلس احرار اسلام کے ساتھ تعاون اور احرار قائدین سے تعلق تو قدیم سے چلا آرہا تھا اور گاہے بگاہے جانشین امیر شریعت حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری اور حضرت سید عطاء المحسن بخاری مد ظلہم کو مدرسہ تجوید القرآن کے سالانہ جلسوں میں بلواتے رہتے مگر باقاعدہ تعلق کچھ اس طرح ہوا کہ ۱۹۷۶ء میں قائد احرار سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ جماعتی دورے پر چیچہ وطنی تشریف لائے تو پیر جی عبداللطیف رحمہ اللہ سے پیر جی عبدالعلیم کو مانگ لیا کہ "حضرت اپنا یہ بیٹا مجھے دیدیں"، حضرت نے فرمایا "یہ آپکا ہے"۔ تب سے شہادت تک احرار کا دم بھرتے رہے، یوں انہوں نے رفاقت کی عظیم مثال قائم کر کے قائدین احرار اور جماعت احرار کے ساتھ تعلق و استواری کا دیپ جلائے رکھا۔

۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت (جس کے نتیجے میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا) میں اور ۷۷ء کی تحریکِ نظام مصطفیٰ میں علاقہ کی سطح پر نمایاں کام سرانجام دیا۔ ۱۹۷۷ء میں جب پیر جی شہید کے والد گرامی قدر حضرت پیر جی عبداللطیف کا انتقال ہوا تو لوگوں کا آپ ہی کی طرف رجوع ہونے لگا۔ چنانچہ اپنے والد ماجد کی مسند کو سنبھالا۔ ساتھ ساتھ اپنے عظیم باپ کی قائم کردہ درس گاہ مدرسہ تجوید القرآن کی نظامت کے فرائض بھی انجام دینے شروع کئے۔ آپ کے حسنِ انتظام کو دیکھ کر جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظم اعلیٰ مولانا حبیب اللہ رشیدی رحمہ اللہ نے پیر جی شہید کو اپنے ہاں بلوایا اور جامعہ کا اہتمام و انصرام آپ کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ مولانا حبیب اللہ رشیدی کی زندگی میں ناظم اور وفات کے بعد ناظم اعلیٰ رہے۔

والد محترم کی تربیت اور تایا جان کی روحانی توجہات کا اثر تھا کہ طبیعت بہت سادہ اور صاف گو تھی۔ کسی قسم کے تصنع اور بناوٹ سے پاک تھے۔ ہر ملنے والے سے یوں محبت کے ساتھ پیش آتے کہ وہ خیال کرتا شاید یہ میرے ہی ہیں۔ گھر ہوتے تو سارا دن دستر خوان چلتا، مہمانوں کی آؤ بھگت اور خاطر مدارت ہوتی، لسی اور میوہ جات کا بنا ہوا گڑ اس گھر کی خاص چیزیں تھیں۔ دوستوں میں ہوتے تو کبھی اپنی برتری کا احساس نہیں دلایا۔ ہر آنے والے سے کھڑے ہو کر معانقہ کرنا اور جاتے وقت باہر دروازے تک چھوڑنا خاص عادت تھی۔ پیر جی شہید کی محفل میں عالم وجاہل امیر وغریب، تاجر، ریڑھی بان اور چھابڑی فروش غرض ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوتے اور ہر ایک سے مساوی سلوک ہوتا۔ "جَوان" خاص تکیہ کلام تھا، راقم شہادت سے قریباً ہفتہ قبل ان کے گھر کے قریب ہی ملا تو دیکھتے ہی کہنے لگے "آ بھئی جَوان کیہ حال اے"! ان کے اس ایک لفظ "جَوان" میں محبت واپنائیت کی وہ چاشنی تھی جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے مگر زبان و قلم اس کیفیت کو ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

پیر جی کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بچوں سے بہت شفقت کے ساتھ پیش آتے۔ اپنے برادرِ بزرگ جناب حافظ عبدالمجید صاحب کے پوتے اور قاری عبدالرحمن کے فرزند اسد الرحمن سے خاص انس اور پیار تھا۔ گھر میں پیر جی کی اہلیہ نے بچیوں کے لئے حفظ قرآن اور دینی تعلیم کا مکتب کھول رکھا ہے

جہاں سے اب تک سینکڑوں بچیاں حفظ و ناظرہ قرآن مکمل کر چکی ہیں۔ آج یہ سب حضرت پیر جی شہید کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

قدرت کی طرف سے معاملہ فہمی کا خاص وصف عطا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت پیر جی عبداللطیف رحمہ اللہ کی وفات کے بعد لوگ اپنے معاملات کو نمٹانے کے لئے اور اپنے جھگڑوں میں پیر جی شہید کو ثالث بنانے لگے۔ اس سلسلہ میں اگر کہیں سفر بھی کرنا پڑتا تو کوشش یہی ہوتی کہ اپنا ہی خرچ ہو دوسرے پر بوجھ نہ بنیں۔ جس شام شہادت کا وقوعہ ہوا اسی روز قریباً چھ گھنٹے کی پنچایت کے بعد ایک جھگڑے کا فیصلہ کیا۔ چیچاوطنی کے کتنے ہی لوگ آپ کی محبتوں کے شہید تھے۔ ایک صاحب شہادت کے قریباً مہینہ بعد ملے، کہنے لگے کہ "اب پیر جی شہید کی بیٹھک سونی سونی لگتی ہے۔ ویسے بھی ان کے بعد کس کی تاب ہے وہاں قدم رکھنے کی۔ بس پیر جی کے گھر کے سامنے والی دکان پر جا بیٹھتا ہوں اور مکان کے در و دیوار کو تکا کرتا ہوں یوں اپنے دل کی اداسیوں کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہوں۔" چیچاوطنی کی معروف دینی و سماجی شخصیت محترم عبداللطیف خالد چیمہ اور پیر جی کا آپس میں گہرا تعلق تھا۔ چیمہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ "ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک تقریر کی پاداش میں مقدمہ درج ہوا اور میں پابند سلاسل ہو گیا۔ مقدمہ کی پیروی سوائے پیر جی کے کسی نے نہیں کی۔ ابتداء سے لیکر رہا ہونے تک ہر ہر قدم پر اپنی محبتوں اور شفقتوں سے نوازا۔ ان کی خوبصورت ادائیں ایک ایک کر کے یاد آتی ہیں۔"

کہاں سے آئیں گے ایسے خلوص کے پیکر
زبان میں جن کی، محبت کی چاشنی دیکھیں

پیر جی شہید فی الواقع ایسے انسان تھے جو اس گئے گذرے دور میں جبکہ لوگ اپنے نسبی رشتوں کو بھی بے دریغ پامال کر رہے ہیں۔ بہت غنیمت آدمی تھے۔

چیچاوطنی میں کسی بھی دینی تحریک میں آپ کی شمولیت کامیابی کی ضمانت ہوتی۔ شہر کی سڑکوں، چوکوں، چوراہوں کو حضرات خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموں سے منسوب کیا گیا تو اس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ۱۹۸۴ء میں شہر کے مرکزی فوارہ چوک کو "شہداء ختم نبوت چوک" کے نام سے منسوب کیا گیا تو اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کی طرف سے خیر مقدم کے طور پر جامع مسجد کے سامنے بہت بڑا اجتماع منعقد کیا اور چیئرمین بلدیہ کو مبارکباد دی۔

باطل فرقوں کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ فتنۂ مرزائیت کے خلاف ضلع ساہیوال کی سطح پر ہر تحریک میں حصہ لیا بلکہ قیادت کی۔ اسی طرح دشمنان ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام کے خلاف سرگرم رہے۔ مسلمانوں کے عقائد و افکار، اعمال و اخلاق کے تحفظ کے لئے جماعت احرار کے زیر اہتمام چیچاوطنی میں سالانہ جلسوں کی بنیاد رکھی۔ اس سلسلہ میں محرم کی سالانہ "مجلس ذکر حسین" منفرد اہمیت کی حامل ہے۔

چیچاوطنی شہر میں اپنے تعلیمی ماحول کے اعتبار سے منفرد انداز کے حامل مدرسہ دارالعلوم ختم نبوت

(جامع مسجد) کی مکمل سرپرستی فرما رہے تھے۔ مدرسہ کے کرائے کے کمروں کی رسید آپ ہی کے نام کاٹی جاتی۔ اس کے علاوہ ہاؤسنگ کالونی میں واقع مرکزی مسجد عثمانیہ اور زیر تعمیر احرار ختم نبوت سنٹر کے انتظامی مدیر بھی تھے۔

کوئی شخص ہمہ جہت خصوصیات کا حامل ہو تو بے شمار حاسدین اور دشمنوں کی آنکھ میں خار بن کے چبھنے لگتا ہے۔ چنانچہ دشمن نے فیصلہ کیا کہ اس مردِ جلیل کا اب خاتمہ کر دینا چاہیئے تاکہ ہمارے مکروہ عزائم کے خلاف ایک مضبوط دیوار ختم ہو جائے۔

۱۱ جنوری کی شام، شب برات کا موقع تھا۔ بچے بالکے پھلجھڑیاں اور پٹاخے چھوڑ رہے تھے۔ دشمن بھی چوکنا تھا۔ اسے بڑا سنہری موقع مل گیا۔ چنانچہ شب برات کے پٹاخوں کے اسی شور و شغب میں اشتری چالیں، مختاری حیلے اور سبائی سازشیں کامیاب ہو گئیں۔ حسن بن صباح کی ظاہری و معنوی اولاد، سیہ باطن و سیہ ظاہر، دین اسلام کے ازلی دشمنوں نے پیر جی کو اپنا ہدف قرار دیا اور اس پیکر محبت و مودّت کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام بن گیا۔

پیر جی شہید اپنے ایک قریبی دوست شیخ امجد حسین کو رخصت کرنے کے لئے اپنے رہائش گاہ کے باہر کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک دو موٹر سائیکل سوار آئے اور آن کی آن میں پیر جی کو اور شیخ امجد حسین کو نشانہ بنا کر یہ جا وہ جا۔ پیر جی کے ایک گولی پیٹ میں اور ایک پشت میں لگی جبکہ شیخ امجد حسین کو تین گولیاں کمر میں اور ایک ہاتھ پر لگی۔ جس سے وہ موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ پیر جی کو فوری طور پہ اندر بیٹھک میں لایا گیا اس دوران کچھ پانی پیا، شیخ امجد حسین کے متعلق پتہ کرنے کو کہا۔ اسی طرح قاری عبدالرحمن کے بیٹے اسدالرحمن کے متعلق پوچھا کہ اس کا بھی پتا کرو۔ یہ ننھا منا سا بچہ پیر جی کا بہت لاڈلا تھا۔

تازہ وقوعہ کی وجہ سے زخم کی شدت کا احساس نہ ہوا مگر جب خون زیادہ بہنا شروع ہوا تو فوری طور پہ موٹر سائیکل کے ذریعے ہسپتال لے جایا گیا۔ راستے میں یہی کہا کہ جوان! خون بہت بہہ رہا ہے۔ ہسپتال تک کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت کا ورد کرتے رہے۔ ہسپتال پہنچتے ہی آخری سانس لیا اور روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پیر جی کی رگ حیات کو کاٹ دیا گیا، فضا ظلمت و تاریکی میں ڈوب گئی۔ دنیا اندھیر ہو گئی۔ دشمن خوش ہو گیا۔ اس کی خوشی بیکراں تھی، ان کے گھروں میں خوشیوں کے شگوفے پھوٹ رہے تھے۔ مگر ہمارے لئے تو مہر و وفا، محبت و خلوص، کا خون ہو چکا تھا۔ راقم تب دار بنی ہاشم ملتان میں قیام پذیر تھا۔ رات کو اچانک فون کی گھنٹی بجی، رسیور اٹھایا تو محترم سراج الدین صدیقی بول رہے تھے، رسمی علیک سلیک کے بعد بتایا کہ پیر جی عبدالعلیم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ کانوں کو یقین نہ آیا۔ پھر پوچھا کہ ذرا پھر بتائیے کیا ہوا کیسے ہوا؟ سوالات کا ایک انبار لگ گیا۔ جب یقین آیا تو پاؤں تلے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی، لرزتی آواز میں رسیور محترم سید محمد کفیل بخاری (نواسۂ امیر شریعت) کو دیا کہ خود ہی بات کر لیں۔

شہادت کی خبر یونہی ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف سفر کرنے لگی۔ متعلقین و متوسلین کی ایک بڑی تعداد اگلے روز چیچاوطنی پہنچ چکی تھی۔ راقم ملتان سے محترم سید محمد کفیل بخاری کے ہمراہ چیچاوطنی آیا۔ پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری جو دو روز قبل ہی پیر جی شہید سے ملاقات کر کے رحیم یار خاں پہنچے تھے فوری طور پر عازم چیچاوطنی ہوئے۔ سید عطاء المومن بخاری مدظلہ، حاصل پور کے دورے پر تھے وہ اپنا دورہ ادھورا چھوڑ کے چیچاوطنی آئے۔ ملتان کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ خیرالمدارس کے مہتمم قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا مفتی عبدالستار اور شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق جنازہ میں شرکت کے لئے پہنچے۔ لاہور سے سید نفیس شاہ صاحب خصوصی طور پر جنازہ میں شرکت کے لئے آئے۔ جنازہ سے قبل ایم سی ہائی سکول کے وسیع گراؤنڈ میں احتجاجی جلسہ ہوا۔ جس سے حضرت سید عطاء المہیمن بخاری، جناب عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا اعظم طارق، اور دیگر حضرات نے خطاب کیا، انہوں نے پیر جی شہید کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور ان کے مظلومانہ قتل پر صدائے احتجاج بلند کی۔ پیر جی عطاء المہیمن نے تو اپنے مختصر خطاب میں یہی کہا کہ ہمارا تعلق ۷۵ء کے طالب علمی دور سے شروع ہوا اور تا ایں دم ہم ایسے ہی رہے تھے جیسے ماں جائے دو بھائی ہوں، پیر جی کے اس قتل پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ ہمارے درمیان ایک قیمتی انسان تھے جو دشمنوں کی سازش کا نشانہ بن گئے۔ اس موقع پر انہوں نے تمام ساتھیوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے آپ کو ضبط و تحمل میں رکھیں۔ اور کوئی بھی ایسا کام کرنے سے گریز کریں جس سے ہمارے اجتماعی مفاد کو زد پہنچے۔ پیر جی کے بعد مجلس احرار اسلام کے مرکزی ناظم نشریات عبداللطیف خالد چیمہ نے اپنے ولولہ انگیز انداز میں پیر جی کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ان کی مظلومانہ شہادت، حکومت کی مسلسل جانبداری اور مخالف فرقہ کو نوازنے پر بھرپور احتجاج کیا۔ چیمہ صاحب نے جس انداز میں احتجاج کیا یہ انہی کا حصہ تھا، ان کی تقریر کے دوران بے شمار لوگ زاروقطار رو رہے تھے اور اپنی بے بسی پر نوحہ کناں تھے۔ وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے۔

اے خطۂ فردوس کے راہی تو پلٹ آ

رحلت پہ تیری غلغلۂ آہ و فغاں ہے

اس احتجاجی جلسہ میں چیچاوطنی کی تمام دینی، سیاسی، سماجی اور تاجر تنظیموں کی طرف سے قاتلوں کی گرفتاری تک ہڑتال کا اعلان کیا گیا۔

نمازِ جنازہ ٹھیک تین بجے سہ پہر سید نفیس شاہ صاحب کی امامت میں اداء ہوئی۔ بعد ازاں پیر جی شہید کو اپنے تایا، حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری نور اللہ مرقدہ کی بائیں جانب پائنتی کی طرف سپردِ خاک کیا گیا۔ تدفین کے وقت نفیس شاہ صاحب بھی موجود تھے۔ ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے پیارے اور جگری دوست کو لحد میں اتارا۔

پیر جی وہاں چلے گئے جہاں سے وہ کبھی واپس نہ لوٹیں گے۔ ان کے دیوانے روئیں گے چلائیں گے اور کہیں گے کہ

بقیہ ص ۱۱۱ پر

دہشت گردی سے عدالتی بحران تک

فاروق عادل

قادیانی سازش بے نقاب

بھارت نے قادیان میں دہشت گردی کی تربیت کا مرکز قائم کر دیا

پاکستان میں ویٹی کن کی طرز پر ریاست کے قیام کی کوشش ہے

وزیراعظم کو رپورٹ پیش کر دی گئی، حساس اداروں کو تحقیقات کا حکم

یہ کہانی بھی اتنی ہی پرانی ہے، جتنا پاکستان اور اس کی تاریخ۔ ۱۹۴۷ء کے ان مہینوں میں جب پاکستان نے جغرافیائی وجود نہیں پایا تھا، لیکن اٹل حقیقت بن چکا تھا۔ غیر منقسم پنجاب کے ایک مذہبی گروہ نے انگریز حکمرانوں کو ایک خط ارسال کیا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ ہمیں مسلمانوں میں شمار نہ کیا جائے کیونکہ ہم ہندوستان میں بسنے والے تو ہیں لیکن مسلمانوں سے الگ ایک اکائی کے طور پر شناخت رکھتے ہیں۔ تحریک و تاریخ پاکستان کے شناور جانتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی کے خلیفۂ اول نے یہ خط بعض ہندو رہنماؤں اور انگریز سرپرستوں کی خواہش پر تحریر کیا تھا۔ اس لئے یہ درخواست تسلیم کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی نتیجہ یہ نکلا کہ گورداسپور، فیروز پور اور امرتسر کے علاقوں میں، جہاں مسلمانوں کی آبادی ۵۱ فی صد تھی کم ہو کر اقلیت میں بدل گئی۔ اسی وجہ سے پنجاب کی وہ غیر منصفانہ تقسیم ہوئی۔ جس کے سبب تاریخ کا بدترین قتل عام اور فقید المثال ہجرت کا واقعہ ہی رونما نہیں ہوا، کشمیر کا قضیہ بھی اٹھ کھڑا ہوا جو اب رستا ہوا ایک ناسور بن چکا ہے۔ تاریخ کے اس بدصورت واقعہ کے پس پشت یہ حقیقت بھی کارفرما تھی کہ بدقسمتی سے باؤنڈری کمیشن میں مسلمانوں کی نمائندگی سر ظفر اللہ خان کر رہے تھے۔ جن کے روحانی رہبر نے انگریز حکمرانوں کو خط لکھ کر خود کو مسلمانوں سے الگ کرایا تھا۔

اس واقعہ کی کڑیاں چند برس قبل کی ایک سازش اور اس کے نتیجے میں برپا کی جانے والی ایک تحریک سے جڑی ہوئی تھیں۔ جس کے سربراہ جماعت احمدیہ کے (دوسرے نمبر پر بننے والے) سربراہ مرزا بشیر الدین محمود اور سیکریٹری حکیم الامت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ تھے۔ تاریخ میں اس تحریک کو کشمیر کمیٹی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔

قادیانی اپنے پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ہی نہیں مسیح موعود بھی قرار دیتے ہیں اور ان کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں دفن ہیں اس لئے کشمیر ان کے لئے مذہبی اعتبار سے ایک اہم مقام ہے۔ یہ انکشاف حکیم نور الدین نے کیا تھا جو غلام احمد قادیانی کی موت کے بعد جماعت احمدیہ کے پہلے امیر بنے تھے۔ وہ مہاراجہ کشمیر کے سرکاری معالج تھے۔ انہوں نے تحقیق کر کے کتاب لکھی۔ جس میں ثابت کیا کہ سری نگر کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے، اس لئے کشمیر پر ہمارا حق ہے۔ حالانکہ یہ ایک غلط دعویٰ تھا۔ جس کا بطلان عہد ساز تاریخی ناول نگار عبدالحلیم شرر نے اپنی کتاب لعبتِ چین میں کیا جو خصوصی طور پر اسی مقصد کے لئے لکھی گئی تھی۔ انہوں نے تاریخی حوالوں سے ثابت کیا کہ سری نگر کے قریب عیسیٰ نامی جس شخص کی قبر ہے وہ وسط ایشیاء کا ایک مجاہد کمانڈر تھا جو کسی جنگ میں شکست کھا کر اس علاقے میں آنکلا اور یہیں آسودۂ خاک ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ابھی فتنۂ قادیان کی تباہ کاریاں اتنی عام ہوئی تھیں نہ لوگ ان کے کافرانہ عقائد سے زیادہ واقف تھے، چنانچہ متذکرہ مقصد کے پیش نظر قادیانیوں نے بعض دیگر حوالوں کو سامنے رکھتے ہوئے "کشمیر چلو تحریک" شروع کی تو عام مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے علامہ اقبال کو اس کی مرکزی قیادت میں شامل کر لیا گیا لیکن علامہ اقبال جیسے زیرک شخص سے یہ سازش اور اس کے پس پشت عناصر زیادہ عرصہ تک چھپے نہ رہ سکے، چنانچہ انہوں نے فی الفور خود کو اس نام نہاد تحریک سے الگ کر کے اس کے غبارے سے ہوا نکال دی (واضح رہے کہ اس زمانے میں قادیانی خود کو مسلمانوں سے الگ نہیں قرار دیتے تھے بلکہ وہ اندر ہی اندر ان کی جڑیں کھوکھلی کرتے تھے)۔

کشمیر چلو تحریک سے لے کر خود کو مسلمانوں سے الگ قرار

دینے کی درخواست اور اس کے بعد باؤنڈری کمیشن میں پنجاب کی غیر منصفانہ تقسیم تک جماعت احمدیہ نے جو کردار ادا کیا اس کی وجہ ان کے ساتھ کیا گیا ایک خوش نما وعدہ تھا۔ جس کو عملی روپ دلوانے کے لئے قادیانی تسلسل کے ساتھ ایک خاص کردار لوا کر رہے تھے۔ قادیانیوں سے کہا گیا تھا کہ خود کو مسلم اکثریت سے الگ قرار دے لیں تو انہیں پاکستان کے ساتھ جانے والے دو علاقوں سیالکوٹ اور شکر گڑھ سے لے کر کشمیر تک ایک خطۂ زمین دے دیا جائے گا جس کا مرکز قادیان ہوگا اور اس کی حیثیت ویٹی کن سٹی کی سی ہوگی جو عیسائی دنیا کا مرجع ہے۔

حالات پر کس کا بس چلتا ہے۔ ۱۹۴۷ء کی ہیجان انگیز فضا میں سکھوں کی سمجھ میں یہ باریک نکتہ نہ آسکا۔ انہوں نے جب مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے لئے بلم اور تلوار اٹھائی تو مسلمانوں کی سی وضع قطع اور اسی انداز سے عبادت کرنے والے قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی تمیز نہ کرسکے۔ اس وجہ سے قادیان' گورداس پور' فیروز پور اور امرتسر سے قادیانیوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ ہی نکلنا پڑا۔ موٹے دماغ رکھنے والے سکھوں نے اپنی بے تدبیری سے مسلمانوں کے خلاف تیار کی گئی ایک منظم سازش ناکام بنا دی تھی' خیر میں سے شر برآمد ہونے کا مقولہ ایسے مواقع پر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۹۴۷ء میں قادیان کے نام سے ایک نیا ویٹی کن سٹی بنانے کی سازش تو ناکام ہوگئی لیکن اس مذہبی فرقے پر بھارت کی مہربانیوں میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ان برسوں میں جب مشرقی پنجاب میں سکھ بغاوت عروج پر تھی بھارت نے کسی غیر ملکی کے' خواہ وہ سکھ ہی کیوں نہ ہو' پنجاب میں داخلے پر پابندی عاید کر رکھی تھی لیکن اس سارے زمانے میں پاکستان سمیت دنیا بھر کے قادیانیوں کو قادیان جانے کی مکمل آزادی تھی جو مشرقی پنجاب ہی کا ایک قصبہ ہے جسے غلام احمد قادیانی کے شوقِ نبوت نے شہرت دلا دی۔

قیام پاکستان اور اس کے بعد قراردادِ مقاصد کی منظوری نے ہر اس قوت کی اُمیدوں پر اوس ڈال دی جو اولاً قیام پاکستان ہی کا مخالف تھا لیکن پاکستان کو بننے سے نہ روک سکنے پر وہ اس ملک کو ایک خاص رنگ میں رنگنے کا خواہش مند تھا' یا برباد کر دینے کا۔ ان قوتوں میں قادیانی بھی شامل تھے' عیسائی بھی اور بعض دیگر سیاسی اور غیر سیاسی گروہ بھی۔ کیونکہ یہ عناصر کسی بھی طور پر ایسا پاکستان قبول نہیں کرسکتے تھے جس کی شناخت اسلام ہو' صرف اور محض اسلام۔

گزشتہ دہائی میں توہینِ رسالت کا قانون منظور ہوا تو دو مذہبی اقلیتوں نے اسے براہ راست خود پر حملہ تصور کیا۔ جن میں سرِفہرست قادیانی اور دوسرے نمبر پر عیسائی تھے۔ اس موقع پر ان دونوں اقلیتوں کے مفادات مشترک ہو چکے تھے۔ پنجاب میں جن علاقوں میں عیسائی آبادی کا زیادہ ارتکاز ہے ان میں سیالکوٹ' لاہور' اوکاڑہ وغیرہ کے سرحدی علاقے خاص طور پر شامل ہیں۔ یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ ان ہی علاقوں میں قادیانی بھی کافی تعداد میں موجود ہیں کیونکہ یہ وہی علاقے ہیں جو قادیان کے قریب ترین ہیں۔ ان علاقوں میں قیام پاکستان سے پہلے ہی غلام احمد قادیانی کے اثرات رہے ہیں۔ توہینِ رسالت کے قانون نے ان دونوں اقلیتوں کے مفادات یکجا کر دیئے اور ان کے درمیان ایک غیر مرئی رشتۂ اتحاد قائم کر دیا۔ اس غیر اعلانیہ اتحاد نے آگے چل کر پاکستان میں غیر معمولی صورت حال پیدا کر دی۔ ہفتہ عشرہ قبل انجام کو پہنچنے والے سیاسی' آئینی اور عدالتی بحران سے قبل ملک بھر میں اور بالخصوص پنجاب میں جاری فرقہ وارانہ دہشت گردی کا اس سے گہرا تعلق ہے۔

ان دونوں اقلیتی فرقوں نے اس سلسلے میں دو محاذوں پر کام کیا۔ منظم منصوبہ بندی کے ساتھ ملک میں غیر سرکاری انجمنوں (NGOs) کا ایک جال بچھایا۔ اس سلسلے میں سر ظفراللہ خان کے بھتیجے ظفر چوہدری نے بنیادی کردار ادا کیا ہے جبکہ جماعت احمدیہ کے موجودہ امیر مرزا طاہر احمد کی ہدایات پر سندھ کے سابق عبوری وزیر اور ریٹائرڈ بیوروکریٹ کنور ادریس بھی اہم خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ غیر سرکاری انجمنوں نے' جن میں قادیانی شوہر رکھنے والی معروف قانون داں عاصمہ جہانگیر کا ادارہ بھی شامل ہے۔ دنیا بھر میں انسانی حقوق کی دیگر تنظیموں اور ان تنظیموں کے سرپرست اداروں سے روابط استوار کیے اور انسانی حقوق اور پاکستانی قوانین کو بنیاد بنا کر عالمی سطح پر پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ کیا۔ جو کسی نہ کسی شکل میں اب بھی جاری ہے۔

دوسرا محاذ دہشت گردی کا تھا۔ فرقہ وارانہ دہشت گردی کے جو واقعات ہوئے ان کا سرسری جائزہ ہی لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان میں سے بیشتر واقعات بالخصوص ان سرحدی علاقوں میں ہوئے جن میں یہ دو مذہبی اقلیتیں آباد ہیں۔

حال ہی میں چند ذمہ داروں نے حکومت کو ایک رپورٹ پیش کی ہے جس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ مشرقی پنجاب (بھارت) کے قصبے قادیان میں بھارتی حکومت نے ایک کیمپ قائم کیا ہے۔ بھارتی خفیہ ادارے ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ (را) کی زیرِ نگرانی چلنے والے اس کیمپ میں پاکستان سے آنے والے نوجوانوں کو دہشت گردی کی تربیت دی جا رہی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ تربیت حاصل کرنے والے ان نوجوانوں کو جماعت احمدیہ کے توسط سے قادیان بھیجا جاتا ہے۔ ان نوجوانوں میں احمدی یا قادیانی بھی ہوتے

ہیں اور عیسائی بھی۔ ان نوجوانوں کو قادیان جانے سے پہلے اور واپسی پر ان ہی سرحدی علاقوں میں قادیانیوں اور عیسائیوں کے گھروں میں پناہ دی جاتی ہے اور بنیادی نوعیت کی معلومات اور تربیت بھی فراہم کی جاتی ہے۔ یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ یہ دہشت گرد جرائم کرنے کے بعد ان ہی علاقوں میں پناہ بھی لیتے ہیں۔ واضح رہے کہ شکر گڑھ سے قادیان کا فاصلہ ۲۰، ۲۵ میل سے زیادہ نہیں ہے۔

پاکستان میں کی جانے والی فرقہ وارانہ دہشت گردوں کی ایک تکون شکر گڑھ (اور اس سے ملحقہ علاقے)، آکسفورڈ (برطانیہ، جس کے قریب جماعت احمدیہ کا مرکز ہے) اور قادیان ہے۔ ان تینوں علاقوں میں قادیانی رہنماؤں کی آمد و رفت کا ریکارڈ تیار کیا جائے تو اس کے نتیجے میں ایک حیرت ناک کہانی وجود میں آتی ہے۔ رپورٹ میں اس سلسلے میں بعض نام بھی پیش کئے گئے ہیں جن کے انکشاف نے حکومتی حلقوں میں حیرت اور بے چینی پیدا کر دی ہے اور اس سلسلے میں غیر معمولی تیز رفتاری سے تحقیقات کی جارہی ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بھارت، اسرائیل اور عیسائی دنیا

طرف سے ان کی سفارش کی گئی ہوتی۔ جو اس جماعت کی سفارش حاصل نہ کر پاتے یا اس میں عار محسوس کرتے ملازمت و ترقی سے محروم رہتے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب پاکستان میں احمدیوں کے خلاف پہلی تحریک چلی۔ یعنی ۱۹۵۳ء۔ رپورٹ میں قرار دیا گیا ہے کہ تحریک ختم نبوت شروع ہونے میں جہاں دیگر عوامل موجود تھے وہیں ایک عنصر یہ بھی تھا جس نے ملک بھر میں اور بالخصوص پنجاب میں اقتصادی مسائل پیدا کر دیئے تھے۔

مرزا طاہر احمد کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہی وہ شخصیت تھی جس کی وجہ سے جماعت احمدیہ نے سیاست میں عمل دخل شروع کیا ورنہ اس سے قبل وہ خود کو اس شعبے میں کمزور محسوس کرتی تھی۔ ۱۹۶۷ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو پاکستان پیپلزپارٹی کی بنیادیں رکھ رہے تھے، مرزا طاہر احمد بھی ان کے دائیں بائیں ہی تھے۔ ان دنوں مرزا ناصر احمد جماعت احمدیہ کے سربراہ تھے مگر ایک شرمیلے اور قدرے کم ہمت شخص تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ جماعت احمدیہ سیاست میں ٹانگ اڑا کر اپنے لئے مخالفت کا سامان کرے۔ لیکن مرزا طاہر احمد نے امیر جماعت کی مرضی کے علی الرغم پیپلزپارٹی میں

حالیہ بحران میں غیر ملکی سرمایہ نے اہم کردار ادا کیا جو قادیانیوں کے ذریعہ مختلف کرداروں کو پہنچایا گیا

کے جماعت احمدیہ سے روابط معمول کی بات رہے ہیں اس لئے ان پر کبھی حیرت ظاہر نہیں کی گئی۔ لیکن ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے اور اس کے بعد جنرل ضیاء الحق کے دور میں توہین رسالت کا قانون منظور ہو جانے کے بعد ان روابط میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا اور جیسے جیسے یہ روابط بڑھتے گئے، اسی تیزی کے ساتھ پاکستان میں فرقہ وارانہ دہشت گردی اور شیعہ سنی فسادات اور خونریزی میں بھی اضافہ ہوا۔ یہ رابطے اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ گئے جب ۱۹۸۴ء میں مرزا طاہر احمد اچانک لندن روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد رابطے استوار کرنے کے بعد منصوبے بنانے اور ان پر عمل در آمد میں تیزی اور بہتری پیدا ہوئی۔

رپورٹ میں پاکستان کی انتظامیہ اور سیاست میں جماعت احمدیہ کے اثر و نفوذ اور اس کے سربراہ مرزا طاہر احمد کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

پاکستان قائم ہوا تو بیورو کریسی میں قادیانی بھاری تعداد میں موجود تھے۔ جبکہ مسلح افواج میں بھی ان کی تعداد قابل لحاظ تھی اور ایک حد تک موثر بھی۔ اس صورت حال سے خاص طور پر بیورو کریسی میں غیر معمولی صورت حال پیدا ہو گئی ملازمتیں اور ترقیاں صرف ان ہی لوگوں کو ملتیں جو قادیانی ہوتے یا جماعت احمدیہ کی

اثر و رسوخ پیدا کیا۔ اسی زمانے میں مرزا طاہر اہم لوگوں کی نظر میں آ گئے اور ان کے بارے میں رائے بنی کہ یہ نوجوان جارح طبیعت، مسلح سرگرمیوں کا خواہش مند اور ایک ذہین آدمی ہے۔ نوجوان مرزا طاہر نے مرزا ناصر احمد کی زندگی میں ہی جماعت احمدیہ کا سیاسی رنگ اس قدر متحرک اور مضبوط بنا دیا کہ امیر جماعت احمدیہ بے بس ہوتے چلے گئے۔ مرزا طاہر بھٹو کے اس قدر قریب تھے کہ جب وہ اقتدار میں آ گئے تو ان کی حیثیت اہم سیاسی مشیر اور عملاً حکمران کی سی ہو گئی۔ اب قادیانی مزید طاقتور ہو چکے تھے۔ اس سے قبل ۱۹۶۵ء میں یہ عنصر بھٹو کے ذریعے بھارت سے جنگ کرا کے پاکستان کا وجود ختم کرنے کی سازش کر چکا تھا۔ اس مرحلے پر بھی ان کا مطمح نظر ایک الگ ریاست کا قیام تھا جس کا خواب انہوں نے چالیس کی دہائی میں دیکھا تھا۔ اب یہی عنصر اقتدار میں بڑی حد تک اپنا اثر و نفوذ پھیلا چکا تھا، اس وجہ سے ملک کی محب وطن مذہبی و سیاسی جماعتوں کے علاوہ خود فوج میں تشویش پیدا ہوئی اور ملٹری انٹیلی جنس نے ان کی سرگرمیوں اور حساس عہدوں پر ان کے لوگوں کے بارے میں رپورٹ اور فہرستیں تیار کرائیں۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد ان کے خلاف بھرپور عوامی تحریک چلی جس کے نتیجے میں بھٹو کو انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اسی زمانہ میں حساس عہدوں پر متعین کئی قادیانی ملک سے فرار

ہوئے، فوج اور دیگر اداروں سے مستعفی ہوئے اور وہ لوگ جو مجبوریوں اور مالی فوائد کے سبب قادیانی ہوگئے تھے از سرِنو مسلمان ہوگئے جس کی ایک مثال ضلع جہلم کا معروف خاندان ہے۔ راجہ منور جس کے چشم و چراغ ہیں جنہوں نے اعلان کردیا کہ وہ مسلمان ہیں۔ ان کے دو بھائی راجہ منصور اور راجہ باسط فوج میں تھے اور ایک بھائی راجہ غالب پنجاب میں ڈائریکٹر ایجوکیشن تھے۔ اس اور اس جیسی دوسری کئی مثالوں کی وجہ سے اب بھی سمجھا جاتا ہے کہ اگر مسلمان علماء کرام حکمت اور دردمندی کے ساتھ بھرپور کوشش کریں اور اس میں سرکاری ذرائع ابلاغ بھی ان کا ساتھ دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اب بھی ہزاروں کی تعداد میں قادیان دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں کیونکہ یہ لوگ نہ اس مذہبی گروہ کے اصل عزائم سے باخبر ہیں اور نہ ان کی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی اطلاع رکھتے ہیں۔ تجویز کیا گیا ہے کہ اگر محبت اور اخلاص کے ساتھ انہیں مخاطب کیا جائے تو اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان کی بڑی تعداد حق کی متلاشی اور محب وطن ہے۔ مگر ان سے آج تک درست انداز میں کوئی رابطہ نہیں کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد جماعت احمدیہ اور اس کے سیاسی ونگ کے بارے میں حساس اداروں نے جو معلومات جمع کی تھیں ان سے یہ بات ایک بار پھر منکشف ہوئی تھی کہ یہ عنصر قادیان یا کسی اور مناسب نام سے ایک ریاست بنانا چاہتا ہے جس کی ہیئت ترکیبی ویٹی کن سٹی کی طرز پر ہوگی۔ یہ بات بھی سامنے آئی تھی کہ اس مقصد کے لئے بھارت نے ہمیشہ ان کی سرپرستی کی ہے اور بھارت کی طرف سے انہیں یقین دلایا گیا ہے کہ اگر یہ اپنی جدوجہد اور حکمت عملی سے سیالکوٹ اور شکرگڑھ پر مشتمل سرحدی علاقہ حاصل کرنے کی پوزیشن میں آجائیں تو قادیان اور ملحقہ علاقوں سمیت کشمیر ان کو دے دیا جائے گا۔ جہاں ان کی مرضی کی خودمختار حکومت بلکہ ریاست قائم ہوگی۔

رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ قادیانیوں نے ۷۰ء اور ۸۰ء کی دہائیوں میں بالکل اسی طرح شیعہ اور اسماعیلی فرقے کی طرف بھی دستِ تعاون بڑھانے کی کوشش کی تھی جس طرح اب عیسائیوں کی طرف بڑھایا ہے مگر اس کوشش میں انہیں ناکامی ہوئی تھی۔

اب چند برسوں سے عاصمہ جہانگیر اور ان جیسے انسانی حقوق کے دیگر نام نہاد علمبرداروں کی مدد سے پاکستان کو انسانی حقوق کی پامالی کے حوالے سے بدنام کرنے کی کوشش کی، جس کی پشت پر ظفر چوہدری موجود رہے ہیں۔ اسی زمانہ میں پاکستان میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کرائی گئی اور بعض قادیانیوں اور عیسائیوں کو قتل کرایا

---

*محترم فاروق عادل صاحب کو دھوکا لگا ہے۔ راجہ منور اور اس کا خاندان ہنوز قادیانی ہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں بعض قادیانیوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو اس میں بھی دھوکا دیا۔ یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر و مرتد نہیں کہا بلکہ یہ کہا کہ ہم قادیانی نہیں، مسلمان ہیں۔ ذیل میں راجہ منور کے بھائی راجہ غالب کی ایک تازہ پریس کانفرنس ملاحظہ فرمائیں جو ہمارے مؤقف کی صداقت میں ایک بیّن ثبوت ہے (ادارہ)

مرزا طاہر نے لغاری کو اسمبلی توڑنے کا مشورہ نہیں دیا تھا: راجہ غالب

قادیانیوں کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے

لاہور (سٹی رپورٹر) قادیانیوں کی جماعت کے ترجمان راجہ غالب احمد نے کہا ہے کہ ان کی جماعت محب وطن ہے لیکن اس کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کر کے عوام میں غلط تاثر پیدا کیا جارہا ہے اور بے بنیاد خبروں کے ذریعے اخباری دہشت گردی کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ جو صحافت کی اعلیٰ روایات کے خلاف ہے وہ گزشتہ روز اخباری کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا گذشتہ دو ماہ سے یہ خبریں شائع ہوئی ہیں کہ پاکستان کے آئین و سیاسی بحران میں قادیانی ملوث ہیں اور اس کیلئے ۳۲ کروڑ روپیہ فراہم کیا گیا یہ بات سراسر غلط ہے اور حقائق گواہ ہیں کہ آج تک جتنے بھی دہشت گرد پکڑے گئے ان میں ایک بھی قادیانی نہیں تھا۔ راجہ غالب احمد نے کہا حساس اداروں میں بھی مذہبی منافرت پھیلانے والے عناصر چلے گئے ہیں جو قادیانیوں کے بارے میں منافرت پھیلانے کا باعث بن رہے ہیں۔ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ مرزا طاہر احمد نے کہا تھا کہ لغاری صاحب کو گمراہ کیا جارہا ہے۔ اسمبلی توڑنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ انہوں نے کہا قادیانیوں نے اس ملک کے قیام کیلئے قربانیاں اور خدمات انجام دی ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں غدار بنا دیا گیا جبکہ وہ لوگ جو قائد اعظم کے خلاف بدزبانی کرنے والوں اور ملک کے قیام کی مخالفت کرنے والے جو سرخپوش حکومت میں شامل ہیں اور اپنے آپ کو ملک کے اعلیٰ عہدوں کیلئے اہل ثابت کر رہے ہیں۔

گیا تاکہ توہینِ رسالت کے قانون کی آڑ میں پاکستان کو عالمی سطح پر بدنام کیا جائے۔

رپورٹ میں بعض حوالوں کے ساتھ یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ چند ماہ قبل قتل و غارت گری سے لے کر موجودہ آئینی' دستوری اور عدالتی بحران تک اس عنصر کی کارفرمائی رہی ہے۔ حالیہ بحران پیدا کرنے کے لئے ۳۲ کروڑ امریکی ڈالر استعمال کئے گئے تھے' اس بھاری رقم کی تقسیم اور استعمال بھی انہی کے ذریعے عمل میں آئی۔

اس بحران کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ملک کے نظریاتی تشخص پر کاری ضرب لگائی جائے تاکہ یہ ایک اسلامی ریاست کی بجائے لادین ریاست میں تبدیل ہو جائے اس صورت میں اس ملک کا عالمی کردار ہی نہیں دفاعی صلاحیتیں بھی متاثر ہوں گی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے:

اولاً: کوشش کی جائے کہ ۷۳ء کا دستور ہی ختم ہو جائے۔

ثانیاً: دستور ختم نہ کرایا جا سکے تو کم از کم آٹھویں ترمیم (پوری کی پوری) ہی ختم کرادی جائے۔ اس کے بعد دوسری ترمیم (جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے) کو ختم کرانے کی کوشش کی جائے۔

اس مقصد کے لئے سیاسی اور عسکری' ہر دو شعبوں میں سیکولر قیادت کو ابھارنے اور کامیاب کرانے کی کوشش کی جائے جیسا کہ حالیہ بحران کا بنیادی مقصد تھا۔

اگلے دو برسوں کے لئے جس عبوری انتظام میں ایک بلند منصب کے لئے جس شخصیت کا نام تجویز کیا گیا تھا وہ اپنے قول و عمل اور کردار کے حوالے سے خالصتاً سیکولر شخصیت ہے۔ اس کے بارے میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ کیا کوئی ایسا شخص' جو نہ صرف نظریاتی اعتبار سے ہی قابل قبول نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ متعدد اخلاقی عوارض لگے ہوئے ہیں وہ پاکستان جیسی ریاست میں کسی ذمہ دار منصب اور بالخصوص نظام عدل میں جگہ پانے کا آئینی اعتبار سے اہل ہو سکتا ہے؟ رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ یہ امر قطعی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے کہ ملک میں پیدا ہونے والے ہر بحران کے پس پشت کسی نہ کسی اعتبار سے قادیانی موجود ہوتے ہیں اور اس بار بھی وہ تندہی سے سرگرم عمل رہے ہیں۔ جس کا ثبوت مرزا طاہر احمد کے حالیہ بیان سے بھی ہوتا ہے۔

رپورٹ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ بھارت انہیں قادیان نامی ریاست بنانے کے لئے مشرقی پنجاب کا قصبہ قادیان' ملحقہ علاقے اور کشمیر دے یا نہ دے وہ بہرحال ویٹی کن سٹی طرز کی ایک آزاد ریاست بنانے کے لئے کوشاں رہا ہے' ان کے اس موقف اور مقصد میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور اس سلسلے میں انہیں بھارت' اسرائیل اور عیسائی دنیا کی ٹھوس مدد و اعانت حاصل ہے۔

رپورٹ میں تجویز کیا گیا ہے کہ:

۱۔ مرزا طاہر احمد کے بھارت کے دوروں اور بھارتی حکام کی لندن میں اس سے ملاقاتوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

۲۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کے جن میں دو سال تک بھارت میں گزارنے والے خالد کھرل (سابق وفاقی وزیر)' اعتزاز احسن' آفتاب احمد شیرپاؤ اور ناہید خان شامل ہیں رابطوں اور سرگرمیوں کو مانیٹر کیا جائے۔

۳۔ برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں قادیانیوں کو آسانی کے ساتھ سیاسی پناہ دینے کے معاملے پر سنجیدگی سے توجہ دی جائے اور اس مسئلے کو نہایت باریک بینی اور احتیاط کے ساتھ سفارتی سطح پر اٹھایا جائے۔

۴۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے نام پر کام کرنے والے اداروں' ان کے عہدیداروں اور ظفر چوہدری جیسے ان کے سرپرستوں کی سرگرمیاں واچ کی جائیں اور خاص طور پر ان کے مالی امور کی باقاعدگی اور سختی کے ساتھ چھان بین کی جائے۔

۵۔ سیالکوٹ شکر گڑھ اور دیگر ملحقہ سرحدی علاقوں میں قادیانیوں اور عیسائیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے ان علاقوں سے گزر کر ہی دہشت گردی کی تربیت حاصل کرنے کے لئے نوجوان بھارت جاتے ہیں اور وہاں سے واپس آتے ہیں یہ راستے بند کئے جائیں اور ان خاندانوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے جو دہشت گردوں کو پناہ دیتے ہیں اور ان کے لئے سہولتیں بہم پہنچاتے ہیں۔

۶۔ جن دنوں ملک کے مختلف حصوں میں دہشت گردی کے واقعات ہوتے ہیں اس سرحدی علاقے میں دہشت گردوں کی آمدورفت بڑھ جاتی ہے جرائم کرنے کے بعد دہشت گرد اس علاقے سے پڑوسی ملک فرار ہو جاتے ہیں اس زمانے میں اس علاقے پر کڑی نظر رکھی جائے تو دہشت گردوں پر آسانی کے ساتھ گرفت کی جا سکتی ہے۔ جس کے نتیجے میں دہشت گردوں کے جال اور ان کے سرپرستوں کے بارے میں ہولناک انکشاف ہو سکتے ہیں

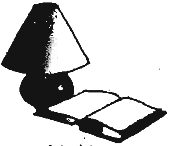

جرحِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔

(ذ) بخاری

حدیث حَوأب کا مصداق کون؟

تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب، فلسفہ اور تصوف کے عظیم الشان اسلامی سرمائے کو، زرِکم عیار میں بدلنے کے لئے اس میں (مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم و مغفور کے الفاظ میں) جتنے بھی فتنے چور دروازے سے داخل کیے گئے، وہ سب رافضیوں اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں کے سبب سے تھے اور ان کا مقصد ہر ایک چشمۂ صافی کو جوہڑ بنانا تھا۔ شرار بولہبی کی اس ستیزہ کاری سے چراغ مصطفوی کو شاید کبھی بھی فراغ ممکن نہ ہو۔ لیکن دین و دانش، علم و فہم اور تحقیق و تفکر کے مقابل، تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کی صناعی ہمیشہ جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہی ثابت ہوئی ہے۔

تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کی بات آہی گئی ہے تو کیوں نہ اسے ایک دو مثالوں سے واضح بھی کر دیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکہ آرا کتاب "سیرت عائشہ" (رضی اللہ عنہا) میں لکھتے ہیں ...... "امام حسنؓ نے ۴۹ھ میں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں۔ ایک گوشہ میں ایک قبر کی جگہ اور باقی تھی۔ امام حسنؓ نے بھائی سے وصیت کی تھی کہ میری لاش اسی خالی جگہ میں دفن کی جائے اور اگر اس میں (کوئی) مزاحم ہو تو جنگ و جدال کی ضرورت نہیں۔ امام حسینؓ نے جب وصیت کی تعمیل کرنی چاہی تو مروان بن حکم نے مخالفت کی، کہ جب یہاں عثمانؓ کو باغیوں نے دفن نہ ہونے دیا تو کسی اور کو بھی اجازت نہیں ہو سکتی۔ ادھر امام حسینؓ کے ساتھ بنو ہاشم اور ادھر مروان کی معیت میں بنو امیہ ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر باہر نکلے۔ قریب تھا کہ ایک خونریز جنگ شروع ہو کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آکر بیچ بچاؤ کیا۔ مروان سے کہا کہ نواسہ اگر اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوتا ہے تو تم کو اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ امام حسینؓ کی خدمت میں عرض کی کہ امام مرحوم کی یہ بھی تو وصیت تھی کہ اگر مزاحمت ہو تو جنگ و جدال سے پرہیز کیا جائے۔ الغرض جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا اور یہیں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (ص ۱۵۰-۱۵۱)

اسی کتاب میں آگے چل کر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عائشہ (سلام اللہ ورضوانہ علیہا) کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ...... "مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کیجئو۔ میں نے ایک جرم کیا ہے۔ مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع

میں دفن کرنا اور رات ہی کو دفن کر دی جاؤں۔ صبح کا انتظار نہ کیا جائے۔ کسی نے عرض کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کے ساتھ دفن ہوتیں تو بہتر تھا۔ فرمایا اگر ایسا ہو تو پچھلا عمل جاتا رہے اور نیا شروع کروں۔ ۵۸ھ تھا اور رمضان کی سترہ (۱۷) تاریخ مطابق ۱۳ جون ۶۷۸ء تھی، کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی۔ ماتم کا شور سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عورتوں کا اژدہام دیکھ کر روز عید کا دھوکا ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ نوحہ اور ماتم سن کر بولیں، عائشہ کے لیے جنت واجب ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ یہ حاکم کی روایت ہے"...... "مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ اگر ایک بات کا مجھ کو خیال نہ ہوتا تو ام المومنین کے لیے میں ماتم کا حلقہ قائم کرتا"۔ (ص ۱۵۴-۱۵۵)

سیدنا حضرت حسنؓ اور سیدہ حضرت عائشہؓ کی وفات کا حال آپ نے سید صاحب کی زبانی پڑھ لیا۔ اب ایک حدیث نبوی بھی پڑھ لیجئے..... "ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے ساتھ، حجرہ مبارکہ میں، دفن ہونے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا.....

وانی لی بذالک؟ من موضع ما فیہ الاّ موضع قبری و قبر ابی بکر و عمر و عیسیٰ بن مریم

(ترجمہ) "بھلا میرے پاس کسی کو اس جگہ دفن ہونے کی اجازت دینے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے، کہ جہاں صرف میرے مزار، اور ابو بکر و عمر اور عیسیٰ بن مریم کی قبروں کے لئے جگہ مخصوص ہو چکی ہے"۔ (کنز العمال ج ۷، ص ۲۲۸)

اب فرمائیے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تدفین کی وصیت کرنا، سیدنا مروانؓ (گورنر مدینہ) کا مزاحم ہونا، بنی ہاشم اور بنی امیہ کے مسلح تصادم کے خطرہ کا پیدا ہو جانا، حضرت ابو ہریرہؓ کا حضرت مروانؓ کو فہمائش کرنا اور بالآخر حضرت حسنؓ کا بے بسی کے عالم میں جنت البقیع میں دفن کیا جانا..... ایک افسانہ ہے کہ نہیں، جو بجا طور پر تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کا شاہکار ہے۔

سید صاحب کے بقول حضرت عائشہؓ نے فرمایا..... "میں نے ایک جرم کیا ہے۔ مجھے حجرۂ مبارکہ میں دفن نہ کرنا"۔ آپ ہی کہیے کہ حدیث کا اعتبار کیا جائے یا سید صاحب کے راوی کا؟ غور سے دیکھیے۔ یہ روای پہلے تو ام المومنین پر نہایت دیدہ دلیری سے ناکردہ جرم کی تہمت لگاتا اور بہتان باندھتا ہے اور پھر بہت سوگوار فضا پیدا کر کے، ان کی وفات پر "نوحہ" اور "ماتم" کا عمل بھی ثابت کرتا ہے۔ پھر اسی عمل سے ایک تابعی بزرگ کو متہم کرتا ہے۔

جی فرمائیے! کچھ آیا خیال شریف میں؟ ماتم تو ہمیں کرنا چاہیے، لیکن کس کا؟ اب اور سنیے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ (جانشین مفتی اعظم پاکستان، مہتمم دارالعلوم کراچی) اپنی کتاب "عورت کی سربراہی کی

شرعی حیثیت" (مطبوعہ ۱۹۹۴ء) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں .... "شروع میں آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اب مجھے دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا"..... "اس ندامت کی بناء پر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا" (ص ۶۳، ۴۴)۔ سوال یہ ہے کہ وہ "جرم" اور وہ "بدعت" ہے کیا؟ وہ ہے جنگ جمل میں شرکت اور قصاص عثمان کا مطالبہ! یقیناً قاتلین عثمان، ان کے اعوان و انصار، اور ان کی روحانی و معنوی اولاد یہ جرم کبھی معاف نہ کرے گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کو کیا ہوگیا ہے؟

ع...... کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!

اس "جرم" کی سنگینی میں اضافہ کرنے اور اس میں واقعیت کا رنگ بھرنے کے لیئے ایک قصہ یہ گھڑا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا "تم میں سے ایک کی کیا حالت ہوگی جب کہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے" چنانچہ قصاص عثمان کے مطالبے کے لئے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے بصرہ روانہ ہوئیں تو راستے میں حوأب کے مقام پر کتے بھونکے۔ ام المومنین کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد تھی، اس لئے رونے لگیں اور عمر بھر اس عمل پر نادم رہیں۔ یہی قصہ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے اپنی کتاب میں دہرادیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

محترم پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی نے اسی حوأب کے قصے کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی ہے۔ ان کی جرح شاندار، ان کے دلائل زوردار، ان کی محنت قابل دید اور ان کا اسلوب قابل داد ہے۔ صاف سادہ، رواں دواں، شستہ و رُفتہ اور شائستہ و پختہ زبان و بیان.... جس میں کوئی لیچ پیچ، کوئی الجھاؤ نہیں۔ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں سبائیوں اور رافضیوں کی دسیسہ کاریوں کا جو منظر، ہاشمی صاحب دکھاتے ہیں وہ بہت ہوشربا اور بہت پریشان کن ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر اضطراب انگیز اور قابل افسوس وہ بے خبری اور بے توجہی ہے جو علماء، فقہا، محدثین، مؤرخین اور متکلمین کہلانے والے متاخرین اور معاصرین کو لاحق ہے۔ ہاشمی صاحب نے سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا مروان بن الحکم رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں بعض اکابر علماء اور چند اجل فضلا کی ایسی ایسی گستاخیوں کی نشان دہی کی ہے جن کا ارتکاب یقیناً شرمناک اور جن کا انجام لازماً ہولناک ہے۔

ہاشمی صاحب خوش قسمت ہیں کہ اللہ پاک ان سے دین کی یہ عظیم الشان اور جلیل القدر خدمت لے رہے ہیں۔ یہ کتاب ضرور پڑھی جانی چاہیے۔ بلکہ ہاشمی صاحب کی تو سب کتابیں پڑھی جانی چاہئیں۔ کاش اہل سنت و الجماعت کہلانے والے حاملان دین متین اور حامیان شرع مبین اس طرف متوجہ ہوں۔ کاش "حجتہ الاسلام" کے سب ماننے والے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کو چنگیز اور ہلاکو جیسی ملوکیت کہنے سے توبہ کرلیں۔ کاش "شیخ الکل فی الکل" کے سب ماننے والے ان کے اس فتوے کے خفی جلی

اثرات سے پناہ مانگیں کہ "ایک ہی عبارت میں معاویہ اور حضرت علی کا نام آئے تو معاویہ کے نام کے ساتھ حضرت نہ لکھا جائے" ۔ کاش "اعلیٰ حضرت" کے ماننے والے انہی کے فرمان و فتویٰ پر، حضرت معاویہ کو خلیفۂ راشد مان لیں ۔ کاش ایسا ہو جائے ۔ ورنہ حوأب کے کتے بھونکتے رہیں گے ۔ ایک حوأب کیا، عجم کے سب کتے بھونکتے رہیں گے۔

کتاب "حدیثِ حوأب کا مصداق کون ؟"..... پچاس (۵۰) روپے میں، قاضی چن پیرا الہاشمی اکیڈمی مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہ چوک، حویلیاں (ہزارہ) سے اور بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

استفسارات در اسرار حبیب

اس کتاب کے مصنف جناب میاں فضل احمد حبیبی مجذوبی راہ سلوک کے مسافر ہیں۔ اصطلاح تصوف میں "سلوک" سے مراد اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہنا اور حق کی تلاش کرنا ہے۔ متلاشی، مسافر اور راہی اگر فائز المرام ہو تو" سالک" بن جاتا ہے اور اگر بے نیل مرام ہو تو "سالک" نہیں بنتا، باقی بہت کچھ بن جاتا ہے۔ اسے سالک سے وہی نسبت ہوتی ہے جو نیم حکیم کو حکیم سے، کٹھ ملا کو عالم دین سے، اور مسِ خام کو کندن سے ہوتی ہے۔ یعنی......وہ کردار، یہ گفتار، وہ ثابت، یہ سیارہ!

مصنف کتاب لکھتے ہیں کہ .... " اس کتاب کے مطالعہ کے دوران، آپ کو قرآن کریم کی تفسیر کا گمان ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ مفسرین حضرات نے تفاسیر اس ارادہ و نیت سے لکھیں کہ لوگ ان سے فائدہ حاصل کریں۔ لیکن راقم کا معاملہ برعکس ہے۔ اس لئے کہ یہ تو خود حقیقت کی تلاش میں تفاسیر اور دیگر کتب کی ورق گردانی میں مصروف ہے۔ مطلوبہ حقیقت کی تلاش میں کائنات کی ہر جہت میں سفر کرنا محال ہے اور اس امرِ محال کا آسان حل یہ پایا کہ حقیقت کو قرآن کے بطن میں تلاش کیا جائے"۔

"کائنات" سے اور اس کی ہر ہر "جہت" سے مصنف کی کیا مراد ہے؟ اس طرح قرآن کے بطن سے ان کی کیا مراد ہے؟ یہ راز ساری کتاب کو پڑھ کر بھی نہیں کھلتا.......

اس کے کھلنے کا ڈھب نہیں کھلتا
کچھ تو کھلتا ہے، سب نہیں کھلتا

کیا ہم اس کتاب کو مصنف کے "خود نوشت تفسیری ملفوظات" سمجھ سکتے ہیں؟ جب کہ مصنف کا کہنا ہے کہ "تفاسیر کے مطالعے کے دوران راقم نے جن الجھنوں کو پایا، ان کے سلجھانے کے لئے علماء ربانی، صوفیاء عظام اور اہل تحقیق دوستوں کی خدمت میں استفسار کو کتابی صورت میں پیش کیا جارہا ہے"........ عملاً ایسا بھی نہیں ہے۔ مصنف نے اپنے مفروضات، قیاسات، احتمالات، اور اعتراضات بھی بیان کئے ہیں اور ان کے "آسان حل" بھی بتلائے ہیں۔ جنہیں وہ "انعامات الٰہیہ" کا نام دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے آغاز میں کہا کہ مصنف راہ سلوک کے مسافر ہیں اور اس راہ میں ایک مقام "حیرت" کا بھی آتا ہے۔ مصنف شاید اسی

مقام پر ہیں اور مبہوت، متحیر اور سراسیمہ ہیں۔ اس تحیر اور سراسیمگی پر قابو پانے (یا اسے "عبور کرنے") کے لئے وہ اوروں کو بھی اپنا شریک بنانا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ حیرانی اور پریشانی اس کتاب کے ہر قاری کا مقدر ہے۔

ثبوت کے طور پر جناب مفتی اقتدار احمد خان قادری نعیمی بدایونی (مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ، مفتی احمد یار خان روڈ، محلہ مسلم آباد، گجرات) کی "تقریظ" کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں...... "ایسی کتاب میری نظر سے اس سے پہلے کبھی نہیں گزری اور شاید نہ اس کے بعد۔ جو تسلسل، روانگی، بداھت اس میں پائی۔ وہ دلچسپی اور کشش کے لئے لاجواب تحفہ ہے"...... "ہوسکتا ہے کہ اس کے کئی مقامات پر مصنف کی نظر ثانی میں آکر خود مصنف کو ہی متحیر کردے" (بالفاظہ)!

۱۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۵۰ روپے میں، نور علی نور اکیڈمی، D/8 گوہر پلازہ، چوک جی ٹی ایس اڈا، گجرات سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

مکاتیب مولانا عبید اللہ سندھی

۱۹۳۹ء میں مولانا عبید اللہ سندھی (رحمتہ اللہ علیہ) حجاز مقدس سے ہندوستان تشریف لائے تو یہ ویسا ہندوستان نہیں تھا جیسا وہ ۱۹۱۵ء میں چھوڑ کر گئے تھے۔ چوبیس برسوں میں سب کچھ بدل ہی تو گیا تھا۔ مولانا...... شاخ گل پہ زمزموں کی دھن تراشنا چاہتے تھے، لیکن ادھر...... نشیمنوں پہ بجلیوں کے کارواں گزر چکے تھے۔

ع...... وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا۔

یہ کانگریس اور مسلم لیگ اور ان دونوں کے تابع مہمل علماء کا دور تھا اور اس میں "جنود ربانیہ"، "مہا بھارت سرو راجیہ پارٹی" اور "حکومت مؤقتہ ہند" کا پرچم بلند کرنے اور نام لینے والوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

ع...... کہ اکبر نام لیتا تھا، خدا کا اُس زمانے میں!

وہ جس نے سات سال کابل میں، آٹھ ماہ ماسکو میں، تین سال ترکی میں اور تیرہ سال مکہ مکرمہ میں مسافرت اور مشقت کی زندگی گزاری، وہ جس کے سب دن سوز و ساز سے اور سب راتیں پیچ و تاب سے عبارت تھیں اور جس کے سامنے ایک ہی نصب العین، ایک ہی منزل تھی "یعنی برعظیم کے لئے کامل آزادی حاصل کرنا" وہ جس کا ایک ہی نعرہ تھا کہ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ صرف شاہ ولی اللہ دہلوی کی تعلیمات کے ذریعہ سے ممکن ہے"...... وہ لوٹ کر وطن آیا تو منظر بدل چکا تھا۔ وہ اپنوں کے لئے اجنبی تھا۔ اس کی مخالفت میں مضامین نو کے انبار لگ رہے تھے۔ ایک بہت فعال اور بہت فاضل معترض کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ...... "میں اس قدر کمزور ہو چکا ہوں کہ جنہیں میں اپنا سمجھتا ہوں، وہ بھی منہ نہیں لگاتے، اس لئے

اوروں پہ کیوں نزول بلا اپنے ساتھ ہو
اب ہم مکان شہر سے باہر بنائیں گے"

یہ تھے "امام انقلاب" مولانا عبیداللہ سندھی! جن کے علمی اور فکری تفردات ناقابل معافی ٹھہرے اور مجاہدانہ امتیازات ناقابل التفات!

آج کل پاکستان اور بھارت میں آزادیٔ وطن کا طلائی جشن منایا جارہا ہے۔ دونوں جانب اہتمام یہی کیا گیا ہے کہ جہاد آزادی کے تذکرے میں مجاہدوں کے نام نہ آنے پائیں۔ ایسے میں عبیداللہ سندھی ایسے مجاہدوں کو کون یاد کرے؟ کسے یاد ہے کہ ہندوستان کے بٹوارے کی جو تجویز ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے پیش کی اور ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کو پسند آ گئی...... یہ تجویز ۱۹۱۶ء میں عبیداللہ سندھی پیش کر چکے تھے۔

ع...... عمرت دراز باش فراموش گارِ من

محترم ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری نے بہت اچھا کیا کہ یہ مجموعہ مکاتیب چھپوا دیا۔ تدوین و ترتیب کے حسن اور توضیحات و حواشی کے اضافے نے اس مجموعے کو مولانا سندھی کے احوال و افکار پر مبنی کلیدی اہمیت کی کتاب بنا دیا ہے۔ ہمارے نزدیک، مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کی کتاب "مولانا سندھی..... علوم و افکار" اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ کی کتاب "مولانا سندھی اور ان کے ناقدین" کے بعد اپنی نوعیت کی یہ تیسری اہم کتاب ہے۔

کتاب، اچھی کتابت و طباعت کے ساتھ ۱۲۰ روپے میں، مکتبہ شاہد 9/1 علی گڑھ کالونی کراچی (۷۵۸۰۰) سے دستیاب ہے۔

دعا صحت

جناب عزیز الرحمن سنجرانی کیلئے دعاء صحت

مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن محترم عزیز الرحمن سنجرانی پر فالج کا حملہ ہوا ہے۔ احباب ان کی صحت یابی کیلئے دعاء فرمائیں اللہ تعالیٰ انہیں شفاء کاملہ عطاء فرمائے (آمین)

"کتابیں ہیں چمن اپنا" کے مصنف، ادیب و شاعر، تلخیص نگار عبدالمجید قریشی جو نیو ملتان میں رہائش پذیر ہیں۔ ان دنوں شدید بیمار ہیں۔ احباب ان کی صحت کے لئے دعا کریں۔

رجسٹرڈ 675 | اصلی ہڈی جوڑ گولی | عطیہ خواجہ غریب شاہ

انسان کی ہڈی ٹوٹ جائے تو گولی کے تین حصے کرکے روزانہ نہار منہ مکھن کے ساتھ کھائیں اور پانچ دن تک نمک سے پرہیز کریں۔ اور اگر کسی جانور کی ہڈی ٹوٹ جائے تو یہی گولی مکمل جوار، مکئی یا جو کے آٹے میں کھلائیں نمک، گندم اور چنے کے آٹے سے پرہیز کرائیں۔ نیز ہمارے ہاں بواسیر اور ہمہ قسم کے درد کی گولیاں بھی دستیاب ہیں۔ نوٹ: مدرسہ کےلئے تعاون کی اپیل جاتی ہے۔

پتہ: صاحبزادہ قاری محمد طیب میانہ (اولاد سلطان عبدالحکیم) مسجد حاجی بشیر احمد محلہ سلطانیہ عبدالحکیم:

جناب قمر رعینی

رمضان المبارک اہم واقعات و شخصیات

اسلامی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات ایسے ہیں جو اس ماہ مبارک سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً غزوۂ بدر، فتح مکہ، امہات المؤمنین میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے علاوہ بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی ام ایمن کی وفات، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور سیدنا حسن بن علی کی خلافت وغیرہ۔ ان سب واقعات و شخصیات کا تذکرہ اس لیے بھی کرتے رہنا چاہیئے کہ آگہی کے نور سے نئی نسل کے قلب و نظر کو روشنی حاصل ہوتی رہے۔

تو آیئے آج کی گفتگو کا آغاز ان مقدس خواتین کے ذکر سے کرتے ہیں جن کی ذات با برکات پر نازاں ہونا خود حورانِ جنت کے لیئے باعث عزو شرف ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کی بدولت ازواجِ مطہرات اور امہات المؤمنین کہلائیں اور جن کی رفاقت، ایثار اور وفاشعاری کی قدر و تصدیق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔

آپ بھی جانتے ہوں گے کہ ام المؤمنین کے معنی ہیں مومنوں کی ماں۔ گویا نبی کی ہر زوجہ مطہرہ ان تمام لوگوں کے لیے ماں کا درجہ رکھتی ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم کے ارشاد "یا نساء النبی لستن کاحد من النساء" کے مطابق نبی کی بیویاں صنفی اعتبار سے عورت ہونے کے باوجود عام عورتوں جیسی نہیں ہیں بلکہ جس طرح ان کے شوہر آقائے دوجہاں، لباسِ بشریت میں ہونے کے باوجود افضل البشر ہیں اسی طرح ان سے وابستہ خواتین (ازواج) بھی مرتبے کے اعتبار سے افضل الخواتین ہیں۔ اب قیامت تک کوئی بھی خاتون، خواہ وہ عبادت و ریاضت کی وجہ سے کتنے ہی بلند مرتبے پر فائز کیوں نہ ہو۔ ام المؤمنین کے برابر نہیں ہو سکتی اور نہ ام المؤمنین کہلا سکتی ہے۔

یہاں یہ نقطہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اسلام میں صرف حقیقی ماں، بہن اور خالہ وغیرہ کو محرمات کہا گیا ہے باقی تمام عورتیں حلال ہیں یعنی ان سے نکاح جائز ہے سوائے ان مقدس پاکیزہ ہستیوں کے جنہیں سورہ احزاب میں "ازواجھم امہاتھم" کہہ کر فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ کے بعد یہ خواتین (جو امہات المؤمنین ہیں) مسلمانوں کے لیے حلال نہیں۔ یہ ہر مسلمان کے لیے اس کی حقیقی ماں کا درجہ رکھتی ہیں اور مرتبہ و شرف میں دنیا کی تمام عورتوں سے لاکھوں بلکہ کروڑوں گنا افضل و برتر ہیں (اور ان کی افضلیت و برتری میں شک بھی کیا ہو سکتا ہے) ان امہات المؤمنین میں سے تین کا مختصر تذکرہ۔ جن کا انتقال اسی ماہ مبارک میں ہوا۔

۱۔ سیدہ خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ مطہرہ):

آپ جناب خویلد کی بیٹی اور العوام کی بہن تھیں۔ العوام رسول اللہ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت

عبدالمطلب کی بیٹی کے شوہر تھے۔ اس طرح العوام رسول اللہ کے پھوپھا اور حضرت خدیجہ، حضرت صفیہ کی نند ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کبھی نہ کبھی پھوپھی سے ملنے جاتے رہے ہوں گے اور وہیں سیدہ خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی ہوگا اور پھوپھی (صفیہ) کی زبانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ، بلندیٔ کردار و دیانت امانت و صداقت کے بارے میں سنا ہوگا، اور یہی وہ خوبیاں ہیں جو کسی بھی خاتون کے لیے شوہر کے انتخاب میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نیاز فتحپوری کا کہنا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہونے سے قبل ان کی تین شادیاں ہو چکی تھیں اور تینوں شوہروں کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن عام مؤرخین کا کہنا ہے کہ وہ صرف دو شوہروں سے بیوہ تھیں اور دونوں شوہروں سے صرف درج ذیل اولادیں تھیں۔ پہلے شوہر ابوہالہ سے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام "ہند" اور "حارث" تھے۔ دوسرے شوہر عتیق بن عائذ مخزومی سے ایک لڑکی "ہند" پیدا ہوئی۔ اسی وجہ سے حضرت خدیجہ کو ام ہند کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت بیشتر مؤرخین کے مطابق سیدہ خدیجہ کی عمر چالیس برس تھی جبکہ بعض محققین کا کہنا ہے کہ عمر ۲۸ سال تھی۔ بہرحال اس بات کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ سیدہ خدیجہ کی پہلی شادی کس عمر میں ہوئی اور شوہر کب تک زندہ رہا، پھر اسی طرح دوسرے شوہر کے بارے میں بھی تفصیلی معلومات کی جائے تاکہ صحیح صورت حال سامنے آسکے۔

البتہ یہ حقیقت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نہایت عالی مرتبت، ذہین، دور اندیش، صاحب ثروت، حوصلہ مند اور شریف ترین خاتون تھیں۔ آپ نے جس عالی حوصلگی سے قدم قدم پر اپنے شوہر نامدار کا ساتھ دیا اور ہر مرحلے پر ان کی ہمت بندھاتی رہیں اور جو قربانیاں دیں وہ تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں۔ پہلی وحی کے بعد سرکار دوجہاں کو مضطرب و متردد دیکھ کر آپ نے تسلی دی اور ان کے نبی ہونے کی تصدیق بھی سب سے پہلے آپ ہی نے کی۔ تمام ازواج میں یہ شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے کہ (سیدنا ابراہیم کے سوا، کہ وہ حضرت ماریہ کے بطن سے تھے اور بچپن میں ہی فوت ہوگئے تھے) تمام اولادیں آپ ہی کے بطن اطہر سے پیدا ہوئیں جن میں سے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی خاص مصلحت کی بنا پر اٹھا لیا البتہ جو چار بیٹیاں پیدا ہوئیں وہ زندہ رہیں اور ان سے نسل چلی اور آپ ہی وہ خاتون ہیں جن کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسری عورت سے کسی مصلحت کی بنا پر بھی نکاح نہیں کیا۔

ع........اس حسن رفاقت پہ دل و جان ہوں قربان

۲۵ سال تک حق رفاقت ادا کرنے کے بعد جب حضور کی نبوت کا دسواں سال تھا اور عمر مبارک ۵۰ برس تھی، یہ جنتی خاتون اس عالم فانی سے رحلت فرما گئیں۔

آپ نے اپنی زندگی میں ہی چاروں بیٹیوں کی شادیاں کر دی تھیں۔ ان بیٹیوں میں سب سے بڑی سیدہ زینب تھیں جن کا نکاح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے ابوالعاص (اموی) سے کر دیا تھا۔ اس بیٹی (سیدہ زینب بنت محمد) نے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جو مصائب و آلام اور جو مظالم برداشت کیے انہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی بیٹی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ھی افضل بناتی" یعنی میری تمام بیٹیوں میں یہ بیٹی افضل ہے۔ اس بیٹی سے ایک بیٹی (امامہ) پیدا ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی پہلی اور بڑی نواسی تھی اور جس سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سیدہ کی وصیت کے مطابق نکاح کر لیا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا نام علی تھا۔ یہ وہ علی بن ابو العاص ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے اور سب سے بڑے نواسے تھے اور جنگ یرموک میں کفار کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ انہی کے بارے میں علامہ اقبال نے بھی ایک نظم لکھی ہے۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اموی داماد سیدنا عثمان غنی ذوالنورین کے عقد میں یکے بعد دیگرے آئیں اور ان سے بھی نسل چلی۔

سیدہ رقیہ کی مہلک بیماری کے پیش نظر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کی اجازت دے دی تھی اور جس دن فتح بدر کی خوش خبری لے کر لوگ گئے پہنچے اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ یہ واقعہ ۱۸ یا ۲۰ رمضان ۲ھ کا ہے۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عقد میں دی گئیں ۔ حضور سرور کائنات سیدہ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ سیدہ کے بطن اطہر سے جو اولادیں ہوئیں ان میں سیدنا حسن مجتبیٰ، سیدنا حسین (شہید کربلا) سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

سیدہ زینب کا عقد ہاشمی گھرانے میں سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوا تھا جبکہ خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس خواہش پر کہ انہیں خاندان رسالت سے قرابت وابستگی کا شرف حاصل ہو جائے۔ سیدنا علی المرتضیٰ نے "رحماء بینہم" کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی بیٹی سیدہ ام کلثوم کو ان کی زوجیت میں دے دیا تھا۔

آفتاب رسالت غروب ہونے کے چھے ماہ بعد رمضان ۱۱ھ میں سیدہ فاطمہ بھی اپنے بابا جان سے جا ملیں۔

۲۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

آپ کا اسم گرامی عائشہ اور صدیقہ (بہ صیغہ مبالغہ) آپ کا لقب ہے۔ آپ کے والد محترم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب بھی صدیق اکبر (بہت ہی سچا) بہ صیغہ مبالغہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری زوجہ مطہرہ اور قیامت تک پیدا ہونے والے ہر مسلمان کے لیے تیسری ام المؤمنین (مسلمانوں کی ماں) ہیں۔ قرآن کریم میں سورہ نور آپ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پہلا اسلامی پرچم آپ ہی کی اوڑھنی سے بنایا گیا تھا۔ چنانچہ یہ اقتباس دیکھئے.........

"مسلمانوں نے سب سے پہلا جہاد فی سبیل اللہ ۲ھ میں کیا جو غزوۂ بدر کے نام سے معروف ہے۔ اس جہاد میں پرچم رسالت کے نیچے بدری صحابہ کے علاوہ ملائکہ نے کفار سے معرکہ آرائی کی اور فتح مبین سے نوازے گئے۔ یہ پرچم رسالت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی اوڑھنی سے بنایا گیا تھا" (حیات ام المؤمنین ص ۱۳۲)

آپ کی والدہ سیدہ ام رومان حضرت ابوبکر کی دوسری بیوی تھیں ۔ جن کا اصل نام زینب تھا۔ ان سے ایک فرزند عبدالرحمن اور ایک بیٹی عائشہ (صدیقہ، صحابیہ وزوجہ رسول) کی ولادت ہوئی۔

حضرت صدیق اکبر کی پہلی بیوی سے عبداللہ (فرزند) اور اسما (بیٹی) کی ولادت ہوئی۔ یہ وہی اسماء ہیں جن کا لقب ذات النطاقین تھا اور حضرت خدیجہ کے بھتیجے (العوام کے بیٹے) زبیر کی بیوی اور عبداللہ کی ماں تھیں ۔ یہ وہی عبداللہ (بن زبیر) ہیں جو مشہور صحابی، مجاہد اور عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور سیدہ کے بھائی عبداللہ بن ابوبکر وہی ہیں جو غار ثور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قیام کے دوران کھانا اور تازہ خبریں پہنچاتے تھے اور غزوۂ طائف میں شریک جہاد تھے، جو آں حضرت کی زیر قیادت ہوا تھا۔

شادی کے وقت سیدہ کی عمر ۱۷ سال اور بوقت رخصتی ۱۹ سال تھی ۔ سات سال اور نو سال والی روایت محل نظر ہے اور یہ کہنا بھی محل نظر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کاشانۂ نبوی میں گڑیاں کھیلتی ہوئی آئی تھیں۔

سترہ رمضان المبارک ۵۷ھ (۲۴ جولائی ۶۷۷ء) کو بروز جمعہ بہ عمر ۷۳ سال آپ کی رحلت ہوئی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال انہی کے حجرہ مبارک میں انہی کی باری کے دن ہوا اور آخری لمحات میں سیدہ نے ہی اپنے منہ سے مسواک نرم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں رب قدیر کے حضور تشریف لے گئے کہ آپ کا سر اقدس سیدہ کی آغوش میں تھا۔ لب ہائے مبارک پر "بل الرفیق الاعلےٰ" کا لفظ تھا اور نگاہیں سیدہ کے چہرۂ اقدس پر تھیں ۔ سیدہ سے مروی روایات کی تعداد ۲۲۱۰ ہے۔ اکابر صحابہ کا بیان ہے کہ کوئی ایسی مشکل نہیں تھی، جس کو سیدہ نے حل نہ کر دیا ہو۔ فقہ میں ان کے بہت سے نامور شاگرد ہیں۔

۳۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

ایک اور زوجہ مطہرہ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال رمضان المبارک ۵۹ھ میں ہوا۔ آپ کے سن وفات میں اختلاف رائے ہے لیکن اس بات پر تمام مؤرخین متفق ہیں کہ امہات المؤمنین میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات سب سے آخر میں ہوئی اور زیادہ تر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ان کا انتقال ۵۹ھ میں بہ عمر ۸۴ سال ہوا اور بقول شبلی نعمانی........ "ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد فضل و کمال میں انہی کا درجہ ہے۔ روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہ کے سوا تمام بیویوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے۔" (سیرت النبی جلد دوم باب ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت)

۴۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

اسی ماہ مبارک کی ۲۱ تاریخ کو داماد رسول زوج بتول سیدنا علی المرتضیٰ کی المناک شہادت واقع ہوئی ۔ تین چار روز قبل ایک شقی القلب مردود ابن ملجم نے مسجد میں حیدر کرارؓ پر اس وقت زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے حملہ کر دیا جب وہ نماز فجر کی امامت کر رہے تھے۔ آپ کی شجاعت اور آپ کے کارناموں سے ساری دنیا اور ہر مسلمان واقف ہے اور آپ کی عظیم شخصیت محتاج تعارف نہیں آپ کی شہادت ۴۰ھ میں واقع ہوئی۔

۵۔ سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ:

انہی دنوں آپ کے بڑے فرزند ارجمند سیدنا حسن مجتبیٰ پانچویں خلیفہ راشد ہوئے لیکن انہوں نے چند ماہ بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا اعلان فرمایا۔

سیدنا حسن مجتبیٰ کی ولادت بھی رمضان میں ہوئی اور تاریخ تھی پندرہ اور ۳ھ تھا۔

۶، ۷۔ سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدہ ام ایمنؓ:

شاعر رسول سیدنا حسان بن ثابتؓ اور حضور کی کھلائی ام ایمنؓ کی وفات بھی رمضان المبارک میں ہوئی۔ ام ایمن کا اصل نام برکتہ تھا۔ یہ پہلے عبید الحبشیؓ کے نکاح میں تھیں جن سے ایک بیٹا ایمن تھا اسی کی وجہ سے ان کی کنیت ام ایمن ہوئی۔ عبید الحبشیؓ مسلمان تھے اور ایک جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ ان کے بعد ام ایمن کی شادی سیدنا زید بن حارثہؓ سے ہوئی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضور کے متبنیٰ تھے۔ زید سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام اسامہ تھا۔ یہی وہ اسامہ بن زید ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں ایک لشکر کی کمان سونپی تھی۔

۸۔ غزوہ بدر:

ان وفیات کے علاوہ دو اور نہایت اہم واقعات ایسے ہیں جن کا تعلق اسی ماہ مبارک سے ہے۔ ان میں پہلا اہم واقعہ غزوہ بدر کا ہے جو ۲ھ میں واقع ہوا۔ غزوہ بدر تاریخ اسلام کا پہلا معرکہ ہے جو حق و باطل (کفر اور اسلام) کے درمیان واقع ہوا۔ اس جنگ میں تائید غیبی سے مسلمانوں کو جو فتح نصرت حاصل ہوئی، اس سے آنے والے ہر دور پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ قریش اور دیگر اُن تمام قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ اور دشمن کی تعداد ایک ہزار تھی۔

۹۔ فتح مکہ:

اسی ماہ مبارک میں مکہ فتح ہوا اور سرور کائنات اسی شہر میں دس ہزار قدوسیوں کے ہمراہ فاتحانہ شان سے داخل ہوئے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنوں اور بیگانوں کے مظالم سے تنگ آ کر بہ حکم الٰہی چھوڑا تھا۔ لیکن یہ فاتح مکہ (نعوذ باللہ) کوئی آمر نہیں تھا۔ یہ ذات ستودہ صفات رحمتہ اللعالمین کی تھی جو تمام جہانوں (بلکہ ہر وہ جہان جو تاحال انسان کی دسترس میں نہیں ہے) ان سب کے لیے باعث رحمت تھی۔ چنانچہ داخلے کے وقت دشمنان اسلام کے لیے جس طرح عام معافی کا اعلان کیا گیا وہ شان رحمتہ اللعالمین کا آئینہ ہے۔

آیئے اللہ سے دعا کریں کہ ہمیں اس ماہ مقدس کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہونے اور اس کا کما حقہ احترام کرنے اور اس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ائمہ مساجد، علمائے کرام اور خطیبان عظام سے مؤدبانہ گزارش

اس وقت ہم بہت ہی کٹھن آزمائش اور ابتلا سے گزر رہے ہیں۔ مذہبی منافرت، فرقہ واریت، لسانی عصبیت اور دہشت گردی کا جنون آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ طبقاتی کش مکش عروج پر ہے۔ ایک مخصوص انداز فکر رکھنے والا اگر وہ صرف اپنے عقائد و نظریات کو اپنی دانش مندانہ منصوبہ بندی سے فروغ دے رہا ہے۔ نئی نسل کو مذہب و ثقافت کے نام پر گمراہ کیا جا رہا ہے۔ عجیب عجیب رسموں کو، جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ خصوصی مصلحتوں کے تحت "ایجاد بندہ" ہیں انہیں جزو دین ثابت کیا جا رہا ہے۔

آج کا طالب علم آئن سٹائن، کارل مارکس، کیٹس، بائرن اور شیلے کو تو جانتا ہے بلکہ وہ آرٹس اور ثقافتی طائفوں کے تمام آرٹسٹوں فنکاروں اور اداکاروں کے نام اور پورے پس منظر سے مکمل واقفیت رکھتا ہے لیکن صحابہ کرام، خلفائے راشدین، امہات المومنین اور فاتحین اسلام کے کارناموں سے بے خبر ہے۔

ان حالات کا تقاضا ہے کہ آپ حضرات اپنی ذمے داریوں کو محسوس کریں۔ سیاسی یا مسلکی تعصبات سے بالا تر ہو کر ایک دوسرے کو کافر کہنے کی بجائے۔

۱۔ عوام کی راہنمائی کیجیے۔ ان کی دینی و ذہنی تربیت کا فریضہ انجام دیجیے۔

۲۔ غلط رسوم و عقائد اور باطل نظریات کی بیخ کنی کیجیے۔

۳۔ حکومت کو ایسا نصاب تعلیم مرتب کرنے پر مجبور کیجیے جو ہمارے دین کے بنیادی عقائد، خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور فاتحین اسلام کے کارناموں اور ان کی عظمتوں کا آئینہ دار ہو۔

۴۔ تاریخ اسلام کی عظیم ہستیوں اور اہم واقعات پر ہر ماہ خطبات جمعہ میں تفصیل سے روشنی ڈالئے اور اس کا آغاز اسی ماہ مبارک سے کیجیے۔ مثال کے طور پر یہ عرض کروں گا کہ رمضان المبارک میں ۲۱ تاریخ کے لگ بھگ آنے والے جمعہ کو سیدنا علی المرتضیٰ کی شہادت کا واقعہ تو بیان کیا جاتا ہے، جو بیان کرنا بھی چاہیے لیکن کسی جمعہ کو ازواج مطہرات میں سے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کسی مسجد کے خطیب کو بیان کرتے ہوئے نہیں سنا گیا۔ جب کہ ان مقدس ہستیوں کے علاوہ سیدہ رقیہؓ (بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) زوجہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سانحات ارتحال بھی اسی ماہ میں ہوئے۔ ان کا بیان بھی ضروری ہے۔

اسی طرح پورے اسلامی سال کے ہر ماہ سے تعلق رکھنے والے واقعات و شخصیات کے بارے میں بتایئے مثلاً:

*شوال: میں غزوۂ احد اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت، وفات سیدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہ

*ذوالقعدہ: غزوۂ حنین، وفات ماریہ قبطیہؓ (ام المومنین) وفات حضرت ابوذر غفاریؓ، صلح و عمرۂ حدیبیہ

*ذوالحجہ: داماد رسول اللہ سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت۔ رسول اللہ کے پہلے داماد سیدہ زینب بنت رسول اللہ کے شوہر سیدنا ابوالعاصؓ کی وفات

*محرم الحرام: رسول اللہ کے خسر، خلیفۃ المسلمین امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت (یکم محرم)، نواسہ رسول جگر گوشہ بتول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت (دس محرم)، غزوۂ خیبر۔ وفات میزبان رسول سیدنا ابوایوب انصاریؓ۔ وفات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

*صفر: وفات عمرو بن سعد بن ابی وقاصؓ۔ وفات عبدالرحمٰنؓ بن عوف

*ربیع الاول: سرکار رسالت مآب کی ولادت و وفات (بارہ) وفات زینبؓ بنت جحش (زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)، صلح حسنؓ و معاویہؓ وفات سیدنا حسنؓ رضی اللہ عنہ نواسۂ رسول اللہ

*ربیع الآخر: وفات عبداللہ بن عباسؓ۔ وفات عبداللہ بن جعفر طیارؓ۔ وفات عاصم بن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

*رجب: وفات ام المومنین حضرت حفصہؓ (دختر سیدنا عمر فاروقؓ) وفات حضرت میمونہؓ وفات حضرت عمر

بقیہ صفحہ ۱۵ پر

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات ان کی

نواز شریف نے ملک میں ون فیملی سسٹم رائج کر دیا۔ (بے نظیر)

* ہائے! ملکہ اور شہنشاہ کا دور حکومت!

انصاف مظلوموں کی دہلیز تک پہنچائیں گے (شہباز شریف)

* فی الحال تو لاشیں دہلیز تک پہنچ رہی ہیں۔

بھٹو خاندان کے دس کرور ڈالر فروری تک وطن واپس لے آئیں گے۔ (احتساب سیل)

* کہیں سونے کا پیتل نہ بن جائے!

خلافت راشدہ کا نظام موجودہ دور حکومت میں نافذ ہو جائے گا (معین الدین لکھنوی)

* خلاف راشدہ کا تو پتہ نہیں۔ مہتاب راشدی کا نظام نافذ ہو چکا ہے۔

پنجاب میں امن و امان کے قیام کے لئے پانچ ہزار سپاہی بھرتی کرنے کا فیصلہ (ایک خبر)

* امن و امان کے قیام کے لئے یا چوروں کی سرپرستی کے لئے!!

میں نے صدارت سے استعفیٰ اپنے پیرو مرشد مولانا اجمل قادری کے حکم پر دیا (لغاری)

* جیسو جی کو کوا ہو جئے بچے!

فضل الرحمن کو صدارت کےلیے نامزد کیا گیا مگر کم عمری آڑے آ گئی (ایک خبر)

* پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

سوئس بنکوں میں کوئی اکاؤنٹ ہوتا تو وکیل کو ضرور بھیجتا۔ (زرداری)

* رسی جل گئی پر بل نہ گیا۔

کربلا کے دوسرے کردار کو لوگ کس نام سے یاد کرتے ہیں۔ (جسٹس سجاد علی شاہ)

* جواب سے کہیں توہین عدالت نہ ہو جائے۔

اچھے لوگوں کی حکومت بنائی جائے۔ ہم بھی اچھے ہیں۔ (اصغر خان)

* اپنی منہ اپنی تعریف اچھی نہیں لگتی۔ چھوٹے خان!

انگلینڈ کے ساتھ میچ سے پہلے پاکستانی کھلاڑی رات بھر مجرا دیکھتے اور شراب پیتے رہے۔ (ایک خبر)

* طاؤس ورباب اوّل طاؤس ورباب آخر!

خوشیاں منائیں اب داڑھی والا صدر ہو گا۔ (آصف زرداری)

بقیہ صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں

مسافران عدم

انا للہ وانا الیہ راجعون

الشیخ قاری عبدالوہاب مکی رحلت فرما گئے:

شیخ القراء حضرت قاری عبدالوہاب مکی ۲۶،۲۷ دسمبر ۱۹۹۷ء کی درمیانی شب لاہور میں رحلت فرما گئے۔ حضرت قاری صاحب نسباً عرب تھے۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان سے قبل اپنے ذاتی احوال کی وجہ سے ہجرت کر کے ہندوستان آ گئے۔ یہاں انہوں نے حضرت قاری فتح محمد پانی پتی اور حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمہم اللہ سے استفادہ کیا۔ انہوں نے تجوید کی کتاب "شاطبیہ" حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی۔ ابناء امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری اور حضرت قاری سید عطاء المہیمن بخاری ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کی روایت کے مطابق حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ذاتی احوال سے متعلق بہت کم گفتگو فرمائی۔ ایک مرتبہ فرمایا۔

"میں نے کئی برس بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی زبان پکڑ کر دعاء مانگی، یا اللہ قرآن پڑھنا سکھا دے" اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن تجوید و قرآت کے امام تھے۔

حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمہ اللہ اپنے اس عظیم شاگرد پر ناز کرتے تھے۔ وہ اپنے شاگردوں کو اکثر فرمایا کرتے کہ "فن مجھ سے پڑھو اور اجراء "مکی" سے سیکھو"۔

حضرت سید عطاء المحسن بخاری ہی کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا "میں عرب قبیلہ "بنی عوف" میں سے ہوں اور تمہارا ماموں لگتا ہوں"۔

حضرت قاری عبدالوہاب مکی رحمہ اللہ نے پچاس برس تک تعلیم قرآن کریم کی خدمت سر انجام دی اور ہزاروں طلباء کو صحیح تلفظ کے ساتھ قران کریم پڑھنا سکھایا وہ مختلف ادوار میں حیدر آباد دکن، کراچی، شکار پور اور لاہور میں رہے۔ خوددار آدمی تھے اور غیرت و شجاعت کا پیکر تھے۔ وہ جب حجازی لے میں تلاوت قرآن فرماتے تو پورے ماحول کو ساکت و جامد کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور خدمت قرآن کریم قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے (آمین) پسماندگان کو صبر عطاء فرمائے ادارہ نقیب ختم نبوت کے تمام ارکان، لواحقین سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے غم میں شریک ہیں۔

جناب عبدالرازق خان خاکوانی مرحوم:

مجلس احرار اسلام کے بانی رکن جناب عبدالرازق خان خاکوانی ۲۷ دسمبر ۱۹۹۷ء کو بہاولنگر میں انتقال کر گئے۔ ان کی میت ملتان لائی گئی اور آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ وہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے ارادتمند اور رفیق تھے۔ ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام کے قیام سے چند ماہ قبل امرتسر میں جو مشاورت ہوئی وہ اس میں شامل تھے۔ قیام پاکستان کے بعد تک مجلس احرار اسلام میں سرگرم

رہے۔ نہایت صالح اور وجیہہ انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے (آمین) اراکین ادارہ ان کے بیٹے جناب محمد اسد خان خاکوانی ایڈووکیٹ سے دلی ھمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

سید عبدالوحید شاہ صاحب مرحوم:

حضرت سید عطاء المحسن بخاری کے ماموں جناب سید عبدالوحید شاہ صاحب تقریباً ۸۰ برس کی عمر میں ۲۱ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ نہایت عابد و زاہد، شب زندہ دار اور اللہ اللہ کرنے والے انسان تھے۔ اراکین ادارہ شاہ صاحب مرحوم کے تمام پسماندگان خصوصاً ان کے بھائی سید ماجد علی شاہ صاحب سے اظہار تعزیت کرتے ہیں اور شاہ صاحب مرحوم کیلئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔

حافظ محمد اشرف

مجلس احرار اسلام رحیم یار خان کے رہنما محترم حافظ محمد اشرف صاحب کے بہنوئی گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ ● مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے کارکن محترم حافظ محمد شریف کے والد ماجد مستری اللہ دتہ گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ وہ موضع کالو پتھرا، تلمبہ میں مقیم تھے۔

مولانا تاج محمود رحمہ اللہ کی اہلیہ کا انتقال:

مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی رکن مولانا تاج محمود رحمہ اللہ کی اہلیہ اور جناب طارق محمود صاحب کی والدہ ماجدہ گزشتہ دنوں رحلت فرما گئیں۔

جناب عبدالقیوم صاحب کو صدمہ:

مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن محترم عبدالقیوم صاحب کے والد ماجد ۲۶/۲۷ دسمبر کی درمیانی شب ملتان میں انتقال کر گئے۔ مرحوم محلہ قدیر آباد ملتان میں رہائش پذیر تھے۔

حافظ محمد زبیر مرحوم بن مولانا محمد شفیع مرحوم:

مدرسہ سراج العلوم کبیر والہ (ضلع خانیوال) کے بانی اور حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے شیدائی حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ کے جواں سال فرزند حافظ محمد زبیر ۱۹ دسمبر کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ وہ لاہور میں تعلیم و تدریس قرآن کریم فریضہ انجام دے رہے تھے۔ ۲۰ دسمبر کو حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے سراج العلوم کبیر والہ میں انکی نماز جنازہ پڑھائی۔ اراکین ادارہ حافظ صاحب مرحوم کی والدہ ماجدہ، بھائی عطاء الحق اور حافظ ضیاء الحق اور تمام پسماندگان سے دلی ھمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان میں حضرت امیر شریعت کے عقیدت مند ملک محمد حسین چناوڑ ۲۸ شعبان ۱۴۱۸ھ ۲۹ دسمبر ۱۹۹۷ء کو انتقال کر گئے۔ وہ ماسٹر ملک جمعہ خان مرحوم کے بڑے بھائی تھے۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے، خطائیں معاف فرمائے اور حسنات قبول فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے (آمین) اراکین ادارہ تمام پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور صبر کی دعاء کرتے ہیں۔

Kinza
FOOD PRODUCTS

سکواشز، کیچپ اور اچار
جو کھائے ایک بار۔ وہ کھائے بار بار

wily
FOODS (PVT) LTD.

Chand Plaza. Off Lane 6 Peshawar Road Rawalpindi Cantt.
Ph : 475969

AD-WIS

تیار جوشاندہ

ہمدرد کی جوشینا

نئے میٹلائزڈ ساشے میں نباتاتی اجزاء اور روغنیات کے شفابخش قدرتی خواص مکمل طور پر محفوظ

زیادہ پُرتاثیر، زیادہ پُرافادیت

نزلہ، زکام، کھانسی اور گلے کی خراش کے علاج کے لیے قدرت کے شفاخانے میں جوشاندے کے نباتاتی اجزاء کی افادیت صدیوں سے مسلّمہ ہے۔ تحقیق و تجربات کی روشنی میں جدید طریقے سے حاصل کردہ جوشاندے کا خلاصہ "جوشینا" نہ صرف نزلہ، زکام، کھانسی، گلے کی خراش اور ان کے باعث ہونے والے بخار کا تدارک کرتی ہے بلکہ ان تکالیف کے خلاف قوتِ مدافعت میں بھی اضافہ کرتی ہے۔

گھر ہو یا دفتر نزلہ، زکام، کھانسی اور گلے کی خراش سے نجات کے لیے ہمدرد کی جوشینا کا ایک ساشے گرم پانی کے ایک کپ میں حل کیجیے: جوشاندے کی ایک مؤثر خوراک تیار ہے۔ نہ جوشاندہ اُبالنے کی زحمت، نہ چھاننے کا تردد۔

نزلہ زکام — جوشینا سے آرام

ہمدرد

مدینۃ الحکمہ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمارے دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ بازمنافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

Adarts-HMD/J-1/95

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

اشاعتِ خاص

جانشین امیرشریعت قائداحرار

سید ابومعاویہ ابوذر بخاری نوراللہ مرقدہ

- سوانح وافکار
- خطابتی معرکے
- عزم وہمت اور جرأت وشجاعت کی داستان
- علمی، ادبی، صحافتی اور دینی تحریکی خدمات
- تاریخِ احرار کا ایک روشن باب
- احرار حلقوں کے لئے ایک خوبصورت تاریخی تحفہ

صفحات 300 قیمت=/50 روپے

پیشگی رقم آنے پر رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کیا جائے گا

رابطہ: سید محمد کفیل بخاری: مدیر، ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان، فون:511961 (061)